مفید باتیں جمع کر دی ہیں، یہ عام لوگوں کے مطالعہ کے لائق ہو، انھوں نے دیباچہ میں لکھا ہو کہ انھیں پڑھنے سے زیادہ لکھنے لکھانے کا خبط ہے، یہ خبط دور کر کے پڑھنے پڑھانے پر زیادہ توجہ مبذول کریں تو انکی تصنیفی زندگی بہتر ہو سکتی ہے۔

انتخاب غزلیات ثاقب، انتخاب مومن، انتخاب خواجہ وزیر، انتخاب غزلیات برق، انتخاب کلام مونس، انتخاب میر سوز، انتخاب غزلیات قائم چاند پوری، مرتبہ ڈاکٹر منظر عباس نقوی، ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی، شاہ محمد باقر، آغا محمد باقر، سید سلیمان حسین، غلام حسین، ڈاکٹر انیس اشفاق، تقطیع خورد، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، صفحات بالترتیب ۱۵۰، ۱۲۰، ۱۲۷، ۷۴، ۱۳۲، ۸۸، ۸۶، قیمت بالترتیب ۳ روپیہ پچاس پیسے، ۴ روپیہ، ۵ روپیہ، ۶ روپیہ ۵۰ پیسے، ۴ روپیہ ۵ روپیہ پچاس، ۶ روپیہ ناشر اترپردیش اردو اکاڈمی، بلہرہ ہاؤس، قیصر باغ، لکھنؤ۔

اترپردیش اردو اکاڈمی نے اردو کے معماروں اور اساتذہ فن کے منتخب کلام کی اشاعت کا مفید پروگرام بنایا ہے، یہ ساتوں کتابیں اسی پروگرام کے ماتحت شائع کی گئی ہیں، جو اردو کے باکمال شاعروں کے کلام کا انتخاب ہیں، یہ انتخاب مختلف یونیورسٹیوں کے اردو اساتذہ نے اپنے ذوق کے مطابق کیا ہے، ہر کتاب کے شروع میں فاضل مرتبین کے قلم سے مختصر مقدمے بھی ہیں، منظر عباس استاذ شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے ثاقب کے کلام کا انتخاب بڑی خوش مذاقی اور اچھے ڈھنگ سے کیا ہے، انھوں نے ثاقب کا اچھا تعارف بھی لکھا ہے، اور ان کے کلام کی خصوصیات پر بھی سیر حاصل بحث کر کے انکی شاعرانہ عظمت واضح کی ہے اور لکھا ہے کہ "یہ زبان میر اور تخیل غالب کی نمائندگی کرتے تھے"، مقدمہ سے انکی ادبی ژرف نگاہی اور بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے، ڈاکٹر ظفر صدیقی استاذ شعبۂ اردو بنارس ہندو یونیورسٹی کا مقدمہ بھی محنت و مطالعہ کا نتیجہ ہے، انھوں نے حکیم مومن خاں مومن کے مختلف اصناف کلام کا انتخاب کیا ہے، جناب شاہ محمد باقر اور آغا محمد باقر نے ناسخ کے دو ممتاز شاگردوں اور دبستان لکھنؤ کے باکمال شاعروں خواجہ محمد وزیر اور مرزا محمد رضا برق کے کلام کا انتخاب کیا ہے اور دونوں نے انکے کلام کی خصوصیات پر بھی گفتگو کی ہے، اس سے لکھنوی شاعری کے خاص رنگ کے علاوہ ان شعراء کے اپنے استاذ کے طرز کو فروغ دینے کی کوشش کا پتہ چلتا ہے، برق کے کلام کے محاسن کے ساتھ اس کے بعض معائب کا بھی تذکرہ آگیا ہے، ایک اور مجموعہ میں بھی دبستان لکھنؤ کے ایک صاحب کمال شاعر مرزا محمد تقی خاں مونس لکھنوی کی غزلوں اور رباعیات کا انتخاب کیا گیا ہے، اور مقدمہ میں ان کے مختصر حالات اور شاعرانہ درجہ واضح کیا گیا ہے، دو مجموعے میر و مرزا کے معاصر اور باکمال شاعروں کے کلام کا انتخاب ہے، ایک میں میر سوز کے اور دوسرے میں سودا کے شاگرد اور منفرد طرز سخن کے مالک قائم چاند پوری کی غزلوں کا انتخاب دیا گیا ہے، اور مقدمہ میں انکے حالات وغیرہ کا ذکر ہے، مگر میر سوز کی شاعری پر بحث و تبصرہ مزید تفصیل و کاوش کا متقاضی تھا، اردو کے کلاسیکل شعراء کے انتخاب کلام کی اشاعت ایک مفید ادبی خدمت ہے جس کے لئے اترپردیش اردو اکاڈمی مستحق ستایش ہے۔

"ض"

جلد ۱۳۴ - ماہ صفر المظفر ۱۴۰۵ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۸۴ء، عدد ۵

مضامین

شذرات　　سید صباح الدین عبدالرحمٰن　　۳۲۲-۳۲۴

مقالات

مستشرقین اور مطالعۂ سیرت　　ڈاکٹر نثار احمد اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ تاریخ کراچی یونیورسٹی، پاکستان۔　　۳۲۵-۳۴۰

علامہ برہان الدین مرغینانی　　عبید اللہ کوٹی رفیق دار المصنفین۔ اعظم گڈھ　　۳۴۱-۳۶۶

ڈاکٹر محمد ایوب قادری　　جناب شمس بدایونی۔ بدایوں۔　　۳۶۷-۳۸۰

حضرت سلمان فارسیؓ کی عمر　　مولانا قاضی اطہر مبارکپوری　　۳۸۱-۳۸۶

مدارس عربیہ کا نصاب تعلیم　　جناب شیخ نذیر حسین، مدیر اردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔ لاہور۔　　۳۸۷-۳۹۰

وفیات

مولانا ابو الجلال ندوی　　ص۔ ع　　۳۹۱-۳۹۲

ڈاکٹر عبد اللطیف مرحوم　　"　　۳۹۴-۳۹۵

آہ شاہ نصر احمد پھلواروی　　"　　۳۹۵-۳۹۶

مطبوعات جدیدہ　　"ض"　　۳۹۷-۴۰۰

شذرات

شریمتی اندرا گاندھی اب اس دنیائے فانی میں نہیں رہیں، کچھ نادان، وطن دشمن اور ناعاقبت اندیش مردوں کے پستول اور اسٹن گن سے نہیں، بلکہ ان کی بے رحمی، بے دردی اور سفاکی کی گولیوں کا نشانہ بنیں اور رام ہوکر سب سے رخصت ہوگئیں، دو مردوں نے ایک ۶۶ سالہ عورت کو اپنی بائیس گولیوں کا نشانہ نہیں بنایا بلکہ دنیا کے تمام مردوں کے مردانہ پن کی تذلیل کی، انسانیت کی گردن شرم سے جھکادی اور وطن کی ناموس خاک میں ملادی، مگر خود شریمتی اندرا گاندھی کی عظمت، جلالت اور صولت میں چار چاند لگادیا، ان کی وفات اپنی فطری موت سے ہوتی تو ان کی عزت، مقبولیت اور محبوبیت میں اتنا اضافہ نہ ہوتا جتنا کہ اب ہوا، گلابوں اور سورج مکھیوں سے لدی ہوئی ان کی ارتھی بحری، ہوائی اور بری لشکریوں کے دستوں کی معیت اور لاکھوں عقیدتمندوں کے جلو میں روانہ ہوئی تو ایسا معلوم ہورہا تھا کہ پنڈت جواہر لال نہرو کی لاڈلی، ہندوستان کی بیٹی اور سیاست کی دیوی اپنے میکے سے فنا کی سہاگن بنی ہوئی بے پناہ آنسوؤں کا جہیز لیکر وداع ہورہی ہے، سو سے زیادہ ملکوں کے ممتاز نمایندے ان کے احترام میں جھکے ہوئے تھے، مردوں اور عورتوں کا بے پناہ سوگوار ہجوم زبان حال سے کہہ رہا تھا کہ ہندوستان کی فضا پر جب تک سورج کی روشنی چمکتی رہیگی، چاند کی چاندنی پھیلتی رہیگی اور شبنم کے قطرے یہاں کے پھولوں کو تازہ اور شاداب کرتے رہیں گے، ہندوستان کی تاریخ میں شریمتی اندرا گاندھی کا نام باقی رہے گا۔

کچھ سیاسی شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں جو زمانہ کے سپرد ہوجاتی ہیں، مگر کچھ سیاسی شخصیتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کے سپرد زمانہ ہوجاتا ہے، اندرا گاندھی کی شخصیت ایسی تھی جس کے سپرد خود زمانہ ہوگیا تھا، ان کے سر پر وزارت عظمیٰ کا تاج رکھا گیا تھا تو پورے ہندوستان کا دل دھڑک رہا تھا کہ معلوم نہیں وہ اس تاج کی لاج کس طرح برقرار رکھیں گی، مگر اقبال خود ان کی وزارت عظمیٰ کی مانگ پر افشاں چھڑکتا رہا، کامیابی خود بڑھ کر ان کی سیاست کے پاؤں میں چھاگل بنی رہی، عزم بالجزم ان کی قوت فیصلہ کا سہارا لیکر ان کی سیاست کے گلے میں مرصع کا ہار پہناتا رہا، اور اب جبکہ ان کی سیاسی زندگی کا افسانہ ختم ہوگیا ہے، مورخوں کو یہ لکھنے میں تامل نہیں ہوگا کہ ایسی سرگرم،

متحرک، محنتی، جواں ہمت، حوصلہ مند، نڈر، وطن کے کونے کونے کی خاک چھاننے والی، لاکھوں کے مجمع کو اپنی طرف کھینچنے والی، دنیا کی سیاست پر اثر انداز ہونے والی، اپنے مخالفوں سے صبر و سکون کے ساتھ نبرد آزما ہونے والی، اپنی ناکامی کے باوجود ازسرنو ابھرنے والی اور طرح طرح کے مسائل میں مبتلا رہ کر ان کو حل کرنے کی کوشش کرنے والی حکمراں خاتون دنیا کی تاریخ میں شاید پیدا نہیں ہوئی۔

رومن امپائر میں کلیوپیٹرا، تھیوڈورا، زو، بروناٹ اور ایرین اپنے زمانے کی سیاست پر چھائی رہیں، فرانس میں میری انٹونائیٹ اور کیتھرائن اپنے ملک کی سیاست میں بہت نمایاں ہوئیں، انگلستان میں ایلزبتھ، میری اور وکٹوریہ نے اپنی حکمرانی میں بڑا نام پیدا کیا، ہندوستان کے اندر سلطانہ رضیہ، حبہ خاتون، بیگم ماہم، نورجہاں، درگاوتی اور تارابائی کو اپنے زمانہ میں بڑی شہرت ہوئی، مگر ان تمام حکمراں خواتین کی سیاسی سرگرمیاں محلوں اور درباروں تک رہیں، اس کے برخلاف اندرا گاندھی کی سیاست پارلیمنٹ کے ایوانوں، مخالف جماعتوں کی شدید مخالفتوں، انتخابات کے ہنگاموں، سڑکوں، گلیوں اور کوچوں کے طوفانی دوروں میں ابھری، اس لحاظ سے وہ ان تمام خواتین حکمرانوں پر فوقیت رکھتی ہیں، ان کی معاصر سیاسی خواتین میں اسرائیل میں گولڈا مائر، سری لنکا میں مسز بندرا نائکے اور انگلستان میں مسز تھیچر وزارت عظمیٰ پر ضرور فائز رہیں، ان کے ملکوں کا رقبہ اور ان کی آبادی بھی زیادہ نہیں، مگر اس کے باوجود وہ اپنے اپنے ملک پر اس طرح حاوی نہ ہوسکیں جس طرح اندرا گاندھی ستر کروڑ کی آبادی والے ملک کے الجھے ہوئے صبر آزما اور ہمت شکن مسائل پر رہیں، اس لحاظ سے بھی ان کی معاصر حکمراں خواتین ان کی شہرت کے آگے ماند رہیں۔

تاریخ کی عظیم شخصیتوں کا جائزہ لینے میں جہاں عقیدت و محبت کے پھول نچھاور کیے جاتے ہیں، وہاں تنقید و تنقیص کی چنگاریاں بھی برسائی جاتی ہیں، اندرا گاندھی کے کارناموں کا بھی آیندہ جائزہ لیا جائے گا، مگر ہندوستان کی تاریخ عظمت کا ہار پہنا کر ان کو شہرت کے بقائے دوام کے دربار میں

جو مقام دے چکی ہے اس سے ان کا بڑے سے بڑا ناقد اور مخالف بھی ہٹا نہیں سکتا۔

ان کی بڑی آرزو تھی کہ ان کے لڑکے راجیو گاندھی ان کے جانشین ہوں، ان کی المناک موت سے یہ آرزو پوری ہو گئی، اب راجیو گاندھی کی طرف سارے ہندوستان کی نظر اٹھی ہوئی ہے کہ اس بھاری ذمہ داری سے وہ کس طرح عہدہ برآ ہوتے ہیں، حکومت آرڈی ننس کے ذریعہ سے بھی کی جاتی ہے، یہ پولیس کے ذریعہ سے بھی امن و امان قائم کرا لیتی ہے، فوج کے سہارے فسادات پر بھی قابو پا لیتی ہے، ایسی حکمرانی تو بہت آسان ہے، مگر دلوں کی تسخیر کرکے لوگوں پر حکومت کرنا آسان نہیں بلکہ مشکل ہے، ایک حکمراں کا اصلی کارنامہ تو یہ ہے کہ وہ جھک کر قد آور ہو، مفتوح بن کر فاتح ہو، مغلوب ہو کر غالب ہو، راجیو گاندھی کی وزارت عظمیٰ کی آزمائش اس میں ہے کہ اس ملک کے ہر فرقہ بلکہ ہر آدمی کے لیے ان کے دل میں محبت کی گنگا اور اخلاص کی جمنا کس طرح بہتی ہے، یہ قانون یا کاغذی تحریروں یا زبانی تقریروں سے نہیں بہہ سکتی، بلکہ لوگ محسوس کریں کہ ان کے سربراہ کی واقعی مخلصانہ، دردمندانہ اور ہمدردانہ حکمت عملی کی وجہ سے اس کے لیے ان کے دلوں کے اندر شیفتگی اور وارفتگی کے شہد کی نہر بہہ رہی ہے۔

دار المصنفین شریمتی اندرا گاندھی کی حسرتناک موت سے اس لیے بھی سوگوار ہے کہ ان کے خاندان سے اس ادارہ کا گہرا تعلق رہا، ان کے دادا پنڈت موتی لال نہرو اور ان کے والد بزرگوار پنڈت جواہر لال نہرو اس کو اپنی تشریف آوری اور لطف و کرم سے برابر نوازتے رہے، خود انھوں نے بھی اس روایت کو برقرار رکھا اس لیے ان کی وفات کو یہ ادارہ اپنا بہت بڑا سانحہ سمجھتا ہے، اس سوگواری کے عالم میں اس کی خوشی ہے کہ ہندوستان کی وزارت عظمیٰ اسی فخر روزگار خاندان میں پھر آ گئی، راجیو گاندھی کو پیام تعزیت بھیجنے کے ساتھ ادارہ ان کے اس عہدۂ جلیلہ کے لیے مبارکباد بھی پیش کرتا ہے۔

مقالات

مستشرقین اور مطالعۂ سیرت

جناب ڈاکٹر نثار احمد صاحب اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اسلامی تاریخ جامعہ کراچی پاکستان

فہرست مستشرقین "حصۂ دوم"

(۲)

۱۷۲	اتین مارک	Etieunne Marc Quatreimere
۱۷۳	اڈمنڈ کاسل	Edumund Castell
۱۷۴	اڈولف وارمنڈ	Adolf Wahrmund
۱۷۵	البرتوس شولتنز	Albertus Schultens
۱۷۶	الفرڈ اکتاف بل	Alfred Octave Bel
۱۷۷	امیلو لافونتے الکنترا	Emilo Lafouentey Alcontara
۱۷۸	اربی نوس	Erpenues
۱۷۹	ایڈلر	Adler, J.G.
۱۸۰	اسٹینلے ڈین	Stanley Dean
۱۸۱	الفسٹن	Elphi stone
۱۸۲	امبریکو آف مینز	Embrice Of Mainz
۱۸۳	اسمتھ	Smith, W.C.
۱۸۴	اوٹو	Otto Richard
۱۸۵	الیکزنیڈر روس	Allexandar Rosa
۱۸۶	الیس	Alles, T.W.

۱۸۷ — الکوک	Alcocke,Nathan.
۱۸۸ — اموس	Amos Pseud
۱۸۹ — اجودی سانتالا	Ugodi Santalla
۱۹۰ — ایڈورڈ جے جرجی	Edward J.Jurji
۱۹۱ — احرث	Ehrharth,Jacob
۱۹۲ — الورث	Ahlwardt, Wilhelm
۱۹۳ — ابرڈس	Imberdis Victor
۱۹۴ — اشپرہر	Sperher, Jakob
۱۹۵ — اسپائن	Spien Bernard
۱۹۶ — اسپائرو	Spiro Jean
۱۹۷ — اڈیلر آف باث	Adelard of Bath
۱۹۸ — براؤن	Brown,E.G.
۱۹۹ — بیرزین	Beresine,N
۲۰۰ — بارتھولڈ	Barthold,V.V.
۲۰۱ — برخارٹ	Burchardt.L.
۲۰۲ — بی وائز	Beauvais Vincent de
۲۰۳ — بیجر	Badger,G.P.
۲۰۴ — بارو	Barrau,J.J.
۲۰۵ — بارٹول	Bartol

۲۰۶ — باڈیر	Baudier, Michel
۲۰۷ — بازن	Bazin,Louis
۲۰۸ — بینن	Benson,A.C.
۲۰۹ — بتھمان	Bethman,W.C.
۲۱۰ — بیون	Bevan A.A.
۲۱۱ — بھلیانڈر	Bihliander,theodor.
۲۱۲ — بلم	Blum,Ernest,Alfred
۲۱۳ — بوساشیو	Baccacio,Giovanir
۲۱۴ — بولیتھو	Bolitho,William
۲۱۵ — بیکر	Becker,G.H.
۲۱۶ — برفالٹ	Briffault,R.S.
۲۱۷ — بنگ	Byng ,E.J
۲۱۸ — بارکر	Barker,E.
۲۱۹ — برنارڈ لوئیس	Lewis,B.
۲۲۰ — بیل	Bell,R.
۲۲۱ — پوکاک	Pococke,E.
۲۲۲ — پوسٹل — قواعد اللغۃ العربیۃ ۱۵۳۸ء	Postel,G.
۲۲۳ — پیرون۔ ترجمہ الطب النبوی از جلال الدین ابی سلیمان داؤد ۱۸۶۰ء	Perron A.
....	....

۲۲۴ - پکتھال (ترجمۃ القرآن، الثقافۃ الاسلامیۃ)	Pickthal , M.W.
۲۲۵ - پامر	Palmer, E.H.
۲۲۶ - پالگریو	Arabia-1867 - (Palgrave)
۲۲۷ - پرائس	History of Mohamadan dynesties (Major Price London 1812.
۲۲۸ - پیٹر	Peter the Venerable
۲۲۹ - تھیوفین	Theophanes, Saint.
۲۳۰ - تھامس برٹران	Thomas Bertran.
۲۳۱ - تھامسر	Thompson J.W.
۲۳۲ - تھامسن	Thom, son William.
۲۳۳ - ٹیٹس	Titus.M.T.
۲۳۴ - ٹوری	Tory, Fouoford.H.
۲۳۵ - ٹرٹین	Tritton, A.S.
۲۳۶ - ٹروٹش	Troltsch, Charlotle.F.K.
۲۳۷ - تشودی	Tochudi, R.
۲۳۸ - تھیوڈور فلیم جان	Theodore Wilhelum Jean Juynoboll.
۲۳۹ - جرترود مارگریٹ - انگریز مستشرق	Gertrude Margaret Lowthian Bell
۲۴۰ - جوتلف برک	Gotlhelf Bergstrasser.
۲۴۱ - جارج جیکب	Jacob, George.
۲۴۲ - جویدی	Ignazio Guidi.

۲۴۳ - جلازر	Ednard Glaser.
۲۴۴ - جان ارٹوکی	Jean Arthoski
۲۴۵ - جبرئیل فیران	Gabriel Ferrand
۲۴۶ - جبرئیل لیوان	Gabriel Leveng
۲۴۷ - جربردی اورلیاک	Jerbert de Oraliac
۲۴۸ - جیر	Geer, B.J.
۲۴۹ - جرازبری	Jarazbhry, A.Q.A.
۲۵۰ - جیکل	Jackel, R.
۲۵۱ - جیمز ڈی روڈا	Jinez de Roda.R.
۲۵۲ - جان	John V
۲۵۳ - جونز	Jones David .
۲۵۴ - جونگ	Jong, P.De.
۲۵۵ - جانسن	Johnson, E.N.
۲۵۶ - جان کینٹینو	John Continuesn.
۲۵۷ - جونز	Sir William Jones.
۲۵۸ - جان آف دمشق	John of Damascus.
۲۵۹ - جانسٹن	Johnston.
۲۶۰ - جان لڈگیٹ	John Lydgate.
۲۶۱ - جین برارڈ	Gene Berard

نمبر	نام	Name
۲۶۲	چاڈ کو	Chadz Ko,A.B.
۲۶۳	حتی	Hitti,P.K.
۲۶۴	درنبرگ	Derenbourg.H
۲۶۵	دینی	Etienne Dinet
۲۶۶	دی ساسی	Antoine Isac Silvestre de Sacy
۲۶۷	دورن	Bernhardt Dorn
۲۶۸	دانتے	Dante
۲۶۹	دی خویہ	Goeje,M.J.de.
۲۷۰	ڈیکوئیل	Decuil
۲۷۱	ڈلبرگ	Dalberg.F.V
۲۷۲	ڈالاپورٹ	Dalaporte,P.H
۲۷۳	ڈائس	Dias Eduardo
۲۷۴	ڈیل	Diehl, Charles
۲۷۵	ڈابس	Dobs, Marcus
۲۷۶	ڈی لنگر	Deelinger,J.J.
۲۷۷	ڈوگارک	Dugarric,F.
۲۷۸	ڈن	Dunn
۲۷۹	ڈیلاویڈالیوی	Della Vida,G.Levi.
۲۸۰	ڈیفریرے	Charles Francois Defrenery

نمبر	نام	Name
۲۸۱	رینکے	Renke,Loepold,Von
۲۸۲	راتی جی	Rattigen,W.H.
۲۸۳	ریناخ	Reinach,Salmon
۲۸۴	رسک	Reiske,J.K.
۲۸۵	ریوش	Reusch,R.
۲۸۶	رائمنڈ	Raymond,J.
۲۸۷	رٹر	Ritter,H
۲۸۸	روپر	Ruper,C.L
۲۸۹	راجر بیکن	Roger Bacon
۲۹۰	راڈویل	Rodwell,J.M.
۲۹۱	ریکنڈورف	Reckendorf
۲۹۲	روزنتھال	Rosenthal,E.I.J.
۲۹۳	روزنتھال	Rosenthal,F.
۲۹۴	رونزیوال	Sabastien Ronzevalle
۲۹۵	روزن	Victor Romanoviche Rosen
۲۹۶	رازموسن	Lassen Rasmussen
۲۹۷	زمبرینی	Zam Brini,F.
۲۹۸	زویمر	Zwemer,S.M.
۲۹۹	زخاؤ	Sachau,E.

۳۰۰ـــ زیٹرسٹین	Zettersteen,K.V.
۳۰۱ـــ ساسمنٹو	Sasmiento,Mantin.
۳۰۲ـــ سرسانو	Sarsano,M.Y.S.
۳۰۳ـــ سرویر	Servier,Andce
۳۰۴ـــ سائن	Sine,W.
۳۰۵ـــ سائمن	Simon,Gotterfried
۳۰۶ـــ سلیرو	Solero, Silvio
۳۰۷ـــ سارڈل	Sourdel,D.
۳۰۸ـــ سودے	South y,R.
۳۰۹ـــ سائکس	Sykes, Sir Percy.
۳۱۰ـــ سائبرگ	Syburg,F.
۳۱۱ـــ سیورے	Savery.
۳۱۲ـــ سینٹ ہلیر	Barthelony St.Hailaire
۳۱۳ـــ سان پیڈرو پیسکال	San Pedro Perscual.
۳۱۴ـــ سدیوجان جاک	Sedillot,J.J.
۳۱۵ـــ سلیم نوفل	·alim
۳۱۶ـــ شن	Sohuon,F.J.
۳۱۷ـــ شول	Scholl,Adolf.
۳۱۸ـــ شرودڈر	Schroeder.E.

۳۱۹ـــ شودن	Victor A
۳۲۰ـــ شولتنز	S hultens
۳۲۱ ـ شاخت	Schacht,J.
۳۲۲ شولتنز	Schultens.J.J.
۳۲۳ ـ شوفاجیہ	Jean Sauvaget
۳۲۴ ـ شینگاس	Francis Joseph Steingass
۳۲۵ ـ طنطاوی، الشیخ محمد عیاد	
۳۲۶ ـ غریفینی	Eugeino Griffini
۳۲۷ ـ فلکے	Falke,Robert
۳۲۸ ـ فنگر	Finger,Charles
۳۲۹ ـ فنلے	Finlay, G.
۳۳۰ ـ فشر	Fisher,A.M.
۳۳۱ ـ فلیگل	Flugel,G.L.
۳۳۲ ـ فونٹین	Foutane Marivo,E.
۳۳۳ ـ فوسٹر	Foster,H.F.
۳۳۴ ـ فری مین	Freeman,E.A.
۳۳۵ ـ فک	Fuck.J
۳۳۶ ـ فان کریمر	Alfred Von Kremer.
۳۳۷ ـ فلایشر	Fleischer.H.L.

۳۳۸ ـ فرڈیننڈ	August Ferdinand Mohsen
۳۳۹ ـ نیل	Gottbold Wail
۳۴۰ ـ قسطنطین الافریقی	Constantinus African
۳۴۱ ـ کانتو	Cantu, Cesare
۳۴۲ ـ کارا	Carra de Voo, B.
۳۴۳ ـ کیش	Cash.W.W.
۳۴۴ ـ کیو	Cawe, Sydney.
۳۴۵ ـ کلارک	Clarke, James.F.
۳۴۶ ـ کلینارڈس	Clenardus, N.
۳۴۷ ـ کریگ	Cragg; Kemeth.
۳۴۸ ـ کیوریو	Curiò, C.A.
۳۴۹ ـ کیبل	Kaibel, F.V.
۳۵۰ ـ کلرہال	Kellerhals; E.
۳۵۱ ـ کلین	Klein, F.A.P.
۳۵۲ ـ کرے ہل	Krehl, C.L.E.
۳۵۳ ـ کارلائل	Carlyl.H.H.Macartney.
۳۵۴ ـ کیورٹین	William Cureton.
۳۵۵ ـ کوزے گارٹن	J.C.L.Kosegarten
۳۵۶ ـ کوندے	Cond'e

۳۵۷ ـ کوڈیرا	Franciscus Codera Zaydin.
۳۵۸ ـ کروگر	Kruger.
۳۵۹ ـ کلود کاہن	Cohen, Cl
۳۶۰ ـ کولن جارج	Colin, G.S.
۳۶۱ ـ کاظم مرزا بک	
۳۶۲ ـ کرمیسکی	Krynsky, A.E.
۳۶۳ ـ کراتشونسکی	Kratch Koisky, I.J.
۳۶۴ ـ کلورلے	Calverley.E.E.
۳۶۵ ـ کلسٹینو	Clestino Schiaperelli
۳۶۶ ـ گیر	Gear, Joseph
۳۶۷ ـ گارڈے	Gardet.L.
۳۶۸ ـ گولڈسیکر	Goldsack, William
۳۶۹ ـ گڈرچ	Goodrich, C.A.
۳۷۰ ـ گیبرٹس	Guibertus
۳۷۱ ـ گیدی	Guidi, M.
۳۷۲ ـ گیام	Gui Uaume, Alfred.
۳۷۳ ـ گوئٹے	Goethe
۳۷۴ ـ گرینیبام	Grunebaum, G.E.V.
۳۷۵ ـ لسڈن	Leusden Johan.

۳۷۶ ـ لابیوم	La Beaume,J.
۳۷۷ ـ لفیٹے	Laffitte,Piasre.
۳۷۸ ـ لنٹ	Lunt,Theodore
۳۷۹ ـ لائتھ	Lyth,Henricus.
۳۸۰ ـ لیبان	Lebon.Dr.G.
۳۸۱ ـ لیفی پروفنسال	Levi Provencel,E.
۳۸۲ ـ لارنس	Lawrence,T.E.
۳۸۳ ـ لین	Edward William Lane.
۳۸۴ ـ لینڈبرگ	Carlo Landberg.
۳۸۵ ـ لیس	William Nassan Lees.
۳۸۶ ـ میکڈونلڈ	Macdonald,D.E.
۳۸۷ ـ ماس	Mass'e Henri
۳۸۸ ـ مازاس	azas, Alexander.
۳۸۹ ـ مورلے	illiam Hook M rley.
۳۹۰ ـ مینسنگ	J.Petrus M Mensing.
۳۹۱ ـ مل مین	Milman.
۳۹۲ ـ مورس	Maurice.F.D.
۳۹۳ ـ میلبوگنار	Melb Gunnar
۳۹۴ ـ مرکاڈیر	Mercadier,G.

۳۹۵ ـ مارکیل	Markel G.N.C.
۳۹۶ ـ میار	Mayer,Edward
۳۹۷ ـ میر	Mayer.J.J.
۳۹۸ ـ میرس	Meyerus,P.
۳۹۹ ـ میمیر	Meymier,E.
۴۰۰ ـ میرو	Mierow,C.C.
۴۰۱ ـ میور	Muir John
۴۰۲ ـ موزرے	Mouseray,F.de.
۴۰۳ ـ مویر	Moyer,E.S.
۴۰۴ ـ منرو	Muhro,D.C.
۴۰۵ ـ مینارڈو	Meynard, Barbier de.
۴۰۶ ـ مونٹے	Montet,Ed.
۴۰۷ ـ میشو	Michaux Bellire,E
۴۰۸ ـ ملر	Augurt Muller
۴۰۹ ـ متوخ	Eugen Mittwoch
۴۱۰ ـ مرکس ملر	Marcus Joseph Mullen.
۴۱۱ ـ ناتھر	Nather,E.S.
۴۱۲ ـ نونبال	Naubbal,I.
۴۱۳ ـ نیل	Neale,W.H

۴۱۴	نیلسن	Neilson.J.B.
۴۱۵	نی مین	Niemann,A.K.
۴۱۶	نللینو	Nallino Carlo Alfonso.
۴۱۷	نبیہ عبود	Abbot,N.
۴۱۸	نسطاس بازنطینی	Nieetas of Byzantine
۴۱۹	والٹیر	Voltair,F.M.
۴۲۰	وارث	Wayriffe,V.
۴۲۱	ولہاوزن	Wellhausen
۴۲۲	ویلز	Wells,H.G.
۴۲۳	ویلزوفر	Welzhofer,H.
۴۲۴	وینسنک	Wensinok,A.J.
۴۲۵	ولیم	William Monier.
۴۲۶	وڈس	Woods Mathew.
۴۲۷	وہائٹ	White Joseph Blanco.
۴۲۸	ویبرن	Wyborne,Joseph.
۴۲۹	ولیم مارسہ	Marcais,W.
۴۳۰	ولیم رائٹ	Wright,W.
۴۳۱	وپکے	Frantz Woepcke.
۴۳۲	ویٹسٹین	Johan.G.Wetzstein

۴۳۳	ہاٹنجر	Hottinger,J.H.
۴۳۴	ہالان	Hallan
۴۳۵	ہیکس پین	Hackspan.
۴۳۶	ہال	Hall, M.P.
۴۳۷	ہارٹ مین	Hartman,M.
۴۳۸	ہیمر	Hammer,P.J.
۴۳۹	ہوری	Hauri,Joh.
۴۴۰	ہارٹ	Haurt,C.L.
۴۴۱	ہیوٹ	Havet,Ernest.
۴۴۲	ہاکنس	Hawkins,A.F.H.
۴۴۳	ہربلیوٹ	Herbelot d
۴۴۴	ہیل	Hell,Joseph.
۴۴۵	ہربل	Herbal of de Molainville
۴۴۶	ہالفن	Halphen.L.
۴۴۷	ہرملین	Hermalin,D.
۴۴۸	ہجین	Higden Ranulf.
۴۴۹	ہنڈاس	Hondas,O,V.
۴۵۰	ہبنر	Hubner,F.
۴۵۱	ہیوز	Hughes,J.P.

Hughes, William	۴۵۲ - ہیوز
New Comb Harvey.	۴۵۳ - ہاروے
Prideautt Humphrey.	۴۵۴ - ہمفرے
Eupenuis Thomas	۴۵۵ - یوپی نیوس
Eulogius Cordovan	۴۵۶ - یولوجیس قرطبی
Eugene Young.	۴۵۷ - یوجین یونگ

علامہ برہان الدین مرغینانی

صاحبِ ہدایہ

از

عبید اللہ کوتی، ندوی، رفیق دار المصنفین

(۲)

تصنیفات امام مرغینانی کی تصنیفات میں سوانح کا شیخ قاسم بن قطلوبغا نے (تاج صفحہ ۳۱) ۹ کتابوں کا مولانا عبد الحی فرنگی محلی نے (الفوائد صفحہ ۵) اور ۱۱ کتابوں کا انسائیکلوپیڈیا آف اسلام[1] نے ذکر کیا ہے، مجھے تلاش و جستجو کے بعد ۱۴ کتابوں کا علم ہو سکا ہے، جو درج ذیل ہیں،

۱- بدایۃ المبتدی۔ (اس متن کی تالیف، مختصر القدوری اور جامع صغیر کی روشنی میں کی گئی ہے۔

۲- کفایۃ المنتہی۔ اس کا ذکر صاحب ہدایہ نے آغاز کتاب میں کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ناتمام چھوڑ دی گئی، طاش کبری زادہ نے لکھا ہے کہ علامہ مرغینانی نے کفایۃ المنتہی کے نام سے ہدایہ کی ۸۰ جلدوں میں شرح لکھی[2]۔

یہی بات قاسم بن قطلوبغا اور دوسرے مصنفین نے بھی لکھی ہے، مگر پھر بھی انسائیکلوپیڈیا کا مقالہ نگار لکھتا ہے، کہ یہ شرح آٹھ جلدوں میں تھی،

۳- ہدایہ (۴) التجنیس والمزید (کشف الظنون نمبر ۳۵۲) (۵) مناسک الحج (کشف الظنون ۱۸۳۰)

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام بعنوان مرغینانی ص ۹۰، ۲ مطبوعہ لندن ۱۹۳۶ء [2] مفتاح السعادہ ص ۱۲۶

۶۔ مختار مجموع النوازل (کشف الظنون نمبر ۱۶۲۴) اسی کو مختارات النوازل بھی کہا گیا ہے، (۷) کتاب فی الفرائض (کشف الظنون نمبر ۱۲۴۵) (۸) فرائض عثمانی حاجی خلیفہ چلپی نے اس کا ذکر ایک مستقل تصنیف کے طور پر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ "اس کتاب کا متن شیخ عثمانی کا تالیف کردہ ہے جس میں انھوں نے مسائل رد، ذوی الارحام اور چند اور فروعی احکام کو نظر انداز کر دیا تھا، علامہ مرغینانی نے تصحیح کے علاوہ، مزید اضافوں کے ساتھ اپنے افادات بھی ذکر کر دیئے ہیں، وہ اپنے وفور علم اور بے مثل شخصیت کی وجہ سے خود ہی اس موضوع پر مستقل تصنیف کے اہل تھے لیکن انھوں نے از راہ تواضع اور شیخ عثمانی کے احترام میں، اس متن پر تصحیح و اضافہ کا کام انجام دیا ہے، فرائض عثمانی کی کئی شرحیں لکھی گئی ہیں، ان میں سے ایک شرح شیخ منہاج الدین ابراہیم بن سلیمان مرالی کی مفاتیح الاقفال کے نام سے ہے، جس کی تکمیل خوارزم میں ۷۰۱ھ میں ہوئی ہے"[۱] (۹) المشیخۃ۔ (تاج التراجم ص ۳۱، قرشی نے (۱/۱۳۱، ۲/۲۷۲) اسے معجم الشیوخ کے نام سے بھی یاد کیا ہے، (۱۰) کتاب المنتقی فی الفروع (کشف نمبر ۱۸۵۲)، (۱۱) نشر المذہب (کشف نمبر ۱۹۵۳) (۱۲) شرح الجامع الصغیر[عہ] للامام محمد الشیبانی، (کشف نمبر ۵۶۹ انسائیکلو پیڈیا ص ۲۷۹) (۱۳) المزید فی فروع الحنفیہ (کشف الظنون نمبر ۱۶۶۰) (۱۴) شرح کتاب الحیطان (التجنیس نسخہ قلمی مملوکہ دارالمصنفین ورق آخر)

مذکورہ کتابوں میں سے بدایہ قدوری کا اختصار ہے، ہدایہ کے متن کے طور پر موجود ہے، اس کے علاوہ بعض کتب خانوں میں الگ سے کتابی صورت میں اس کے قلمی نسخے بھی موجود ہیں کتب خانہ آصفیہ میں اس کے دو نسخے ہیں، (دیکھئے فہرست آصفیہ جلد دوم ص ۱۰۷۴، نمبر کتاب ۲۰۴۲)، کتب خانہ رام پور میں بھی (نمبر ۶۰ فقہ) ایک نسخہ موجود ہے، مختارات مجموع النوازل کا

۱؎ کشف الظنون ج ۲ نمبر ۱۲۵۱۔

عہ قرشی نے اسامی شراح الجامع الصغیر کے ذیل میں صاحب ہدایہ کا بھی نام درج کیا ہے دیکھئے الجواہر ج ۲ ص ۴۲۹

ایک نسخہ کتب خانہ رام پور۔ (دیکھئے فہرست مطبوعہ ۱۹۲۰ء صفحہ ۲۴۶۔ نمبر ۵۲ کل صفحات ۳۱۵) میں پایا جاتا ہے۔ فتاوئے التجنیس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں ہے، دیکھئے فہرست جلد دوم صفحہ ۱۰۵۴۔ نمبر کتاب ۲۵ کتابت ۹۸۸ھ دوسرا نسخہ رام پور میں (نمبر کتاب ۵، کل صفحات ۶۰۲) موجود ہے، اسی کتاب کا ایک قدیم خوشخط قلمی نسخہ (سنہ کتابت نامعلوم) دارالمصنفین کے کتب خانہ میں التجنیس والمزید کے نام سے موجود ہے، جس کا اسی مقالہ میں تفصیل سے جائزہ لیا جائے گا۔

کفایۃ المنتہی کے بارے میں کشف الظنون نے لکھا ہے کہ اس کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں، بقیہ تصنیفات بھی حوادث زمانہ کے ہاتھوں اور غالباً حملۂ تاتار کے سبب برباد ہو چکی ہیں، البتہ معجم الشیوخ کے مختلف اقتباسات، قرشی نے الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیہ میں نقل کئے ہیں، اور اس مقالہ میں جابجا ان سے استفادہ کیا گیا ہے، اس کا بھی علحدہ سے کوئی نسخہ دستیاب نہیں، بہر حال مؤلف ہدایہ کی اب صرف چار ہی کتابیں پائی جاتی ہیں، ہدایہ مع بدایہ، التجنیس والمزید، مختارات مجموع النوازل، ہم اپنے مقالہ میں فی الحال، التجنیس المزید، اور ہدایہ ہی کے بارے میں قدرے اختصار کے ساتھ چند باتیں عرض کریں گے۔

التجنیس والمزید اس کتاب کا قدیم اور خوشخط قلمی نسخہ کتبخانہ دارالمصنفین میں موجود ہے، ۱۹/۲۲ کی تقطیع میں ۱۶۶ ورق ہیں، اور ہر ایک صفحہ میں ۲۱ سطریں ہیں، اس کی ابتدا اس طرح ہوئی ہے، الحمد للہ القدیم الحلیم الخبیر ذی الایادی الظاھرۃ والنعم الباطنۃ والظاھرۃ، حمد و ثنا کے بعد فرماتے ہیں۔ "قال العبد الضعیف ابو الحسن علی بن ابی بکر (ابن) عبدالجلیل عفی اللہ لہ ولوالدیہ" پھر چند سطروں کے بعد اپنے ایک شیخ سے بسند متصل روایت حدیث کرتے ہیں۔

اخبرنا بہ الشیخ الامام الاجل الزاھد برھان الدین ابو الحسن علی بن الحسن (؟ الحسین) بن عبد اللہ الغزنوی (؟ الغزنوی) رحمہ اللہ قراءۃ علیہ ببغداد سنۃ خمس واربعین وخمسمائۃ قال الخ"، شیخ ابوالحسن غزنوی سے صاحب ہدایہ کے بغداد میں ۵۴۵ھ میں استفادہ اور تلمذ کا علم، ان کی اسی تحریر سے ہوتا ہے، عبدالقادر قرشی نے علامہ مرغینانی کے سفر حج ۵۴۴ھ کا ذکر کرنے کے بعد یہ لکھا ہے کہ ہمدان سے ہوتے ہوئے، اپنے وطن کی طرف مراجعت فرمائی، یہ واپسی یقینی طور پر بغداد کی راہ سے ہوئی، جہاں انھوں نے شیخ غزنوی سے ۵۴۵ھ میں استفادہ کیا۔

علامہ مرغینانی لکھتے ہیں، "وقد ذکر فی المختصر" (ورق ۹۸ الف) یہ اشارہ غالباً ہدایہ کے متن البدایہ کی جانب ہے، وہ البدایہ کی طرح کتاب الفرائض بھی التجنیس والمزاید سے پہلے ہی لکھ چکے تھے، چنانچہ اسی کتاب میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "ذکرناھا فی کتاب الفرائض" ورق ۱۶۶ ب (اس مسئلہ کا ہم نے کتاب الفرائض میں ذکر کر دیا ہے)، انھوں نے ایک جگہ اپنی ایک اور تصنیف شرح کتاب الحیطان کا بھی ذکر کیا ہے لکھتے ہیں کہ

یہ وہ مسائل ہیں جن کو ہم نے کامل تفصیل کے ساتھ شرح کتاب الحیطان میں ذکر کیا ہے،

(ورق ۱۶۶ ب)

علامہ مرغینانی نے جس کتاب کی شرح لکھی ہے، یعنی کتاب الحیطان، اس کے بارے میں حاجی خلیفہ لکھتے ہیں کہ وہ "شیخ مرجی ثقفی حنفی کی تالیف ہے، چونکہ بقول ایک شارح (الرشید) باغات، راستوں، وادیوں اور ندی نالوں کے مسائل کا شمار فقہ کے دشوار اور پیچیدہ مسائل میں ہوتا ہے، اور اس موضوع پر یہی ایک کتاب لکھی گئی تھی، اس لئے قاضی القضاۃ ابوعبداللہ ...... دامغانی وغیرہ نے اس کی شرحیں لکھیں۔"[1]

---

[1] کشف الظنون نمبر ۱۴۴۳،

مذکورہ بالا وضاحت حاجی خلیفہ کی طرف سے کی گئی ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ صاحب ہدایہ کی کتاب شرح کتاب الحیطان ان کی نظر سے نہیں گذری، اور دوسرے تذکرہ نگاروں نے بھی اس شرح کا ذکر نہیں کیا ہے، حالانکہ خود علامہ مرغینانی کی اپنی کتاب "التجنیس" میں اس کا ذکر موجود ہے۔

کتاب التجنیس کی تالیف کا آغاز، دراصل صاحب ہدایہ کے استاذ الصدر الامام الاجل الاستاذ الشہید حسام الدینؒ نے کیا تھا، ان کے بعد، صاحب ہدایہ نے ترتیب واضافہ کے ذریعہ اس کی تکمیل کی ہے،[1] اور ابتدا میں اپنے ماخذ کا بھی ذکر کر دیا ہے، جو یہ ہیں:-

"فقیہ ابو اللیث کی النوازل اور عیون المسائل، ابو العباس ناطفی کی الواقعات امام ابوبکر بن الفضل کی فتاویٰ، ناطفی کی اجناس، امام ابوشجاع کی غریب الروایہ شیخ نجم الدین عمر نسفی کے فتاویٰ، مبسوط کی مختلف شرحیں، شیخ حسام الدین صدر شہید کی فتاویٰ صغریٰ"۔۔۔ لیکن ان کے علاوہ صاحب ہدایہ کے پیش نظر اور کتابیں بھی تھیں جن کا ذکر کتاب کے مختلف مباحث میں جابجا کیا گیا ہے۔

کتاب التجنیس فقہی ابواب کی ترتیب کے مطابق ہے، مگر اس کا آغاز باب العلم سے کیا گیا ہے، اس کے بعد مختلف موضوعات کے لحاظ سے کتاب ۹۰ حصوں میں تقسیم ہے، اور ان کے ذیل میں دیگر مباحث اور جزئیات کو باب اور فصل کے زیر عنوان بیان کیا گیا ہے، موضوعات کے لحاظ سے عنوانات کی تقسیم اس طرح ہے:-

کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب العتاق، کتاب الایمان، کتاب الحدود، کتاب السیر، کتاب السرقہ، کتاب اللقیط، کتاب اللقطہ، کتاب المفقود، کتاب الآبق، کتاب الغصب

---

[1] کتبخانہ رامپور کی فہرست کتب مطبوعہ ۱۹۲۰ء نمبر ۵، میں التجنیس والمزید کا سنہ تالیف ۵۴۵ھ درج کیا گیا ہے، (دیکھئے فہرست صفحہ ۱۶۴)

کتاب الودیعۃ، کتاب العاریۃ، کتاب الشرکۃ، کتاب الصید، کتاب الذبائح، کتاب
الاضحیۃ، کتاب الوقف، کتاب الھبۃ والصدقۃ، کتاب البیوع، کتاب الاقالۃ، کتاب
الشفعۃ، کتاب القسمۃ،

مذکورہ بالا موضوعات اور ہدایہ کے مباحث میں ترتیب وتالیف کے انداز اور بحثوں کی
نوعیت میں بھی نمایاں فرق ہے، التجنیس کا موضوع صرف اجتہاد اور تخریج یا ترجیح کے مسائل ہیں۔
پیش آمدہ مسائل کے بارے میں حنفی مسلک کے اصول وفروع، اور روایات ائمہ وفقہاء کی
روشنی میں رہنمائی اور کسی ایک پہلو کی ترجیح واضح کی گئی ہے۔ ہدایہ کے پیش نظر تمام مسائل کا
استقصاء ہے، اکثر فروع اور نظائر وامثال کے ذریعہ ورنہ اصول وکلیات دیکر تاکہ غیر مذکور
جزئیات کے سلسلہ میں، ان اصول وکلیات کی روشنی میں حکم کا استخراج اور تعین کیا جاسکے، لیکن
کتاب التجنیس نے روایات واصول کی روشنی میں پیش آنے والے اہم جزئیات ہی سے بحث کی ہے،
ہدایہ، دیگر فقہی مکاتب فکر (شافعی، مالکی، حنبلی وغیرہ) اور حنفی مسلک کے مسائل اور دلائل پر
جامعیت کے ساتھ مکمل بحث کرتی ہے، اور کتاب التجنیس نے، فقہ حنفی کے مختلف ائمہ کے آراء
وافکار کی روشنی میں جزئی واقعات پر تخریج اور ترجیح آراء کی حد تک اپنے مباحث کو محدود رکھا
ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ۔

یہ کتاب انہی جزئیات کی تشریح کے لئے ہے، جن کو متاخرین نے مستنبط کیا ہے اور متقدمین
نے ان کی وضاحت نہیں کی الا یہ کہ کہیں کوئی شاذ قول ان سے روایت کرلیا گیا ہو۔[1]

بہرحال مذکورہ خصوصیات کی بنا پر، فقہ سے شغف رکھنے والوں اور بالخصوص حنفی مکتبہ
فکر کے فقہاء کے لئے۔ اجتہادی صلاحیت کے استعمال اور تخریج وترجیح کے اصول کی وضاحت کیلئے،

[1] کشف الظنون نمبر ۳۵۲، التجنیس کے نسخہ قلمی مملوکہ دارالمصنفین میں یہ عبارت نہیں ہے،

کتاب التجنیس کا مطالعہ بڑی اہمیت اور افادیت کا حامل ہوگا۔

دارالمصنفین کے نسخہ قلمی میں کہیں کہیں کتابت کے اغلاط ہیں، ضرورت ہے، کہ دوسرے
نسخوں کی مدد سے اس کا ایک صحیح تر نسخہ تیار کیا جائے۔

کتاب التجنیس کی آخری سطریں یہ ہیں:۔

تم الکتاب بحمد اللہ تعالیٰ وعونہ وحسن توفیقہ والحمد للہ رب العالمین
والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین
وحسبنا اللہ ونعم الوکیل ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم (اس کے بعد کا ٹکڑا
غالبا کاتب نسخہ کا اضافہ کردہ ہے) والحمد للہ وحدہ وکان الفراغ من وقت الفجر،
عفی اللہ لمالکہ ولمن قرأ فیہ اونقل فیہ ودعالہ بالمغفرۃ والحمد للہ رب
العالمین،

ہدایہ: شیخ الاسلام برہان الدین مرغینانی کی وہ تصنیف ہے، جس کے مطالعہ سے علمائے
سلف کے لطف ومسرت میں اضافہ ہوا، اور متاخرین علماء کے لیے اس میں اشتغال وانہماک
عزت وافتخار کا سبب بنا، ہر دور میں اور سب ہی جگہ، اہل علم نے درس وتدریس کے ذریعہ
اس سے تعلق رکھا، اس لئے کہ وہ دقیق مباحث پر حاوی، اور اہم حقائق کی جامع ہے، مفتیٰ بہ
مسائل پر مشتمل، احکام کے اسرار ومصالح سے آراستہ اور تمام جزئیات کا احاطہ کرنے والی،
پیش آمدہ مسائل کے جواب میں تسلی بخش، اصول وقواعد، ابواب وفصول، مسائل ودلائل، ترتیب،
لفظوں کے انتخاب اور جملوں کے دروبست کے لحاظ سے قابل قدر، پسندیدہ اور ہر طرح حیرت انگیز
اور لائق تحسین ہے[1] یہی وہ کتاب ہے، جس کی وجہ سے صاحب ہدایہ کو، ان کے شیوخ واقران،

[1] البنایۃ شرح ہدایہ ص ۲، ۳ ملخصاً،

نمایاں سبقت اور امتیاز حاصل ہوا۔[1] اور اپنے عہد تصنیف سے آج تک فقہ حنفی بلکہ قانونِ اسلامی کے ماہرین، فقہاء و محدثین کے یہاں، یہ کتاب مقبول اور متداول رہی۔

تالیف ہدایہ کا سبب

علامہ مرغینانی فرماتے ہیں کہ میں نے بدایۃ المبتدی کی تمہید میں یہ وعدہ کیا تھا کہ "کفایۃ المنتہی" کے نام سے اس کی ایک شرح بھی لکھوں گا، جب یہ وعدہ، ایفاء کی منزل تک آیا، اور قریب تھا کہ میں اس سے فارغ ہو جاؤں، کہ اچانک مجھے اس میں اطناب کا احساس ہوا، اور یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں اطناب کی وجہ سے، کفایہ سے لوگ صرف نظر نہ کرلیں، لہذا میں نے قلم کی باگ، ہدایہ کی طرف موڑ دی اھ[2]

ہدایہ کی شرح کفایہ تو واقعی، گم ہوگئی، حاجی خلیفہ چلپی نے لکھا ہے کہ کہیں دستیاب نہیں[3] البتہ، ہدایہ، اپنے دور اول سے لیکر آج تک مقبول چلی آتی ہے،

آغاز تحریر

شیخ الاسلام مرغینانی نے ہدایہ کی تالیف کا آغاز بروز دوشنبہ بوقت ظہر ذی قعدہ ۵۷۳ھ میں کیا،[4] اس وقت وہ ۶۲ برس کے تھے، تیرہ سال، ہدایہ کی تالیف میں صرف ہوئے،[5] مولف نے اس دوران میں روزہ کا التزام کیا، کوشش کرتے کہ کسی کو ان کے روزہ کی خبر نہ ہو،[6] خادم کھانا لاکر رکھ جاتا، اور شیخ الاسلام اس کے جانے کے بعد کسی طالب علم یا مہمان کو کھلا دیتے، خادم اگر برتن خالی پاتا تو یہ سمجھتا کہ شیخ نے کھانا تناول فرمالیا ہے،[7]

مقبولیت

تالیف ہدایہ کے زمانہ میں، تیرہ برس کے اس پُرمشقت اہتمام بلکہ تصنیفی اعتکاف کا ہی یہ ثمرہ ہے، کہ یہ کتاب نظر اعتبار سے دیکھی گئی، اور اہل علم میں مقبول ہوئی، صاحب کشف الظنون نے ایک شعر جو ہدایہ کے حق میں زبان زد تھا، یہ نقل کیا ہے کہ

---

۱ الجواہر ج ا ص ۳۸۳ ۲ ہدایہ (دیباچہ) ص ۲ ۳ کشف الظنون ۲۰۳۸ ۴ مقدمۃ الہدایہ ص ۳۔

۵ کشف الظنون نمبر ۲۰۳۲ ۶ ایضاً ۷ مقدمۃ ص ۳۔

ان الهداية كالقرآن قد نسخت ۔۔۔ ما صنفوا قبلها في الشرع من كتب

فاحفظ قواعدها واسلك مسالكها ۔۔۔ يسلم مقالك من زيغ ومن كذب[1]

۱۔ ہدایہ کی مثال قرآن جیسی ہے، کہ جس نے شریعت کی سابقہ کتابوں کو منسوخ کر دیا ہے،

۲۔ اس لئے اس کے اصول و قواعد کو یاد کر لو اسی کے بتائے ہوئے راستہ پر چلو، اس طرح تمہاری بات غلطی اور کجی سے محفوظ رہے گی۔

اور امام عماد الدین بن شیخ الاسلام مرغینانی، ہدایہ کے بارے میں یہ فرماتے ہیں:۔

كتاب الهداية يهدي الهدى ۔۔۔ الى حافظيه ويجلو العمى

فلازمه واحفظه يا ذا الحجى ۔۔۔ فمن ناله نال اقصى المنى[2]

۱۔ کتاب ہدایہ اس کے یاد کرنے والوں کی رہنمائی کرتی ہے، اور تاریکی کو دور کرتی ہے۔

۲۔ پس اے عقلمند اسے مضبوطی سے پکڑ اور اس کو یاد کرلے اس لئے کہ جس نے اسے پالیا اس نے گویا، اپنی سب بڑی تمنا پوری کرلی۔

حفظ ہدایہ

ابتدائے اسلام میں احادیث نبویہ (علی صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ) کے حفظ کا دستور عام تھا، بعد میں فقہی کتابوں کے حفظ کا بھی رواج ہو گیا، چنانچہ قدوری اور مبسوط کے حفظ کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں[3] ہدایہ کی تالیف کے بعد جب اس نے عالمگیر شہرت پائی تو اہل علم نے اس کو بھی حفظ کیا، چنانچہ ماوراء النہر، خراسان، شام، سوڈان اور ہندوستان میں بہت سے طلبہ اور اہل علم اس کو زبانی یاد کرلیا کرتے تھے۔

حلب (شام)، کے فقہاء میں محمد بن حسن حلبی نے اپنے بچپن ہی میں ہدایہ کو حفظ کرلیا تھا، وہ ایک بار کسی محفل میں علامہ ابوحفص عمر بن الوردی کے سامنے پیش کئے گئے، اور لوگوں نے انکی

---

۱ کشف ۲۰۳۲ ۲ مقدمۃ ص ۲ ۳ الجواہر ج ا ص ۹۳، ۲۰۳۔

حیرت انگیز یادداشت کا مشاہدہ کیا، اس موقع پر علامہ ابن الوردی نے درج ذیل سند لکھکر عطا کی۔

فاضل لبیب شمس الدین محمد بن حسن حنفی نے میرے سامنے ہدایہ کے مختلف حصے اول و آخر اور درمیان سے زبانی پڑھکر سنائے وہ بڑی روانی، صفائی، اور حسن ادا کے ساتھ پڑھ رہے تھے، وہ بڑی عجیب اور حیرت انگیز صلاحیتوں کے حامل نظر آئے، جو ان جیسا بنے اس پر ظلم و زیادتی کا امکان نہیں، اللہ انھیں کتاب کے مندرجات پر علم و عمل کی توفیق دے، محمد بن حسن کے بارے میں کچھ عجب نہیں کہ آیندہ وہ اعیان و اکابر میں شمار کئے جائیں یہ تحریر نصف شعبان ۷۴۴ھ میں لکھی گئی۔[1]

ایک اور فقیہ شیخ ابوالحسن علی بن نوح ابوی جن کا زبید (یمن) میں ۷۵۱ھ میں انتقال ہوا ہے، سوڈان کے رہنے والے اور مؤلف نصب الرایہ امام زیلعی کے شاگرد تھے ان کے بارے میں بھی یہ تصریح ملتی ہے کہ

وہ اپنی یادداشت کی مدد سے کتاب ہدایہ زبانی سنادیا کرتے تھے۔[2]

شیخ عثمان بن داؤد ملتانی (م ۷۳۶ھ گجرات)، خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے اجل خلفاء میں تھے، محمد تغلق شاہ نے جب دولت آباد منتقلی کا فیصلہ کیا تو انھوں نے دہلی سے منتقل ہوکر، گجرات میں سکونت اختیار کرلی، فقہ، اصول اور تصوف کے بڑے زبردست عالم تھے، ہدایہ اور اصول بزدوی وغیرہ انھیں حفظ تھیں۔[3]

ہدایہ سے یہ تعلق صرف درس و تدریس کا شغل رکھنے والے علما ہی کو نہ تھا، بلکہ سلاطین بھی اس امر خاص میں علماء کے ساتھ شانہ بشانہ نظر آتے ہیں، مسالک الابصار کے مصنف نے لکھا ہے کہ

---

[1] الجواہر ج ۲ بحوالہ کتاب العقود اللؤلؤیہ ج ۲ ص ۸۵۔ مؤلفہ شیخ علی بن الحسن خزرجی مطبوعہ مصر ۱۹۱۴ء،
[3] نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۷۰۔ بحوالہ بحر زخار۔

سلطان محمد تغلق (۱۳۲۵ء تا ۱۳۵۱ء)، کلام پاک اور ہدایہ کا حافظ تھا۔[1]

ہندوستان اور ہدایہ

شیخ برہان الدین بلخی (م ۶۸۷ھ دہلی)، سلطان غیاث الدین بلبن عہد کے اکابر علماء و فضلاء میں تھے، سلطان ہر جمعہ کو بعد نماز ان کی خدمت میں حاضری دیتا اور دیر تک ان کے پاس بیٹھتا،[2] وہ فقہ حنفی کے امام متقی اور کامل الفن استاد تھے، انھوں نے اپنے بچپن میں علامہ مرغینانی کا دیدار کیا تھا، اور علامہ نے ان کے متعلق اپنی فراست ایمانی سے چند باتیں بھی ارشاد فرمائی تھیں،[3] جن کی تفصیل اسی مقالہ میں گزر چکی ہے۔

فقہ و حدیث و لغت کے مشہور امام حسن بن محمد صغانی لاہوری (مؤلف مشارق الانوار) کے بارے میں علامہ ذہبی نے اپنی کتاب تاریخ الاسلام میں یہ تصریح کی ہے کہ ان کو صاحب ہدایہ کے فرزند شیخ الاسلام عمر بن علی مرغینانی سے تلمذ کا شرف حاصل تھا۔[4]

شیخ وجیہ الدین پائلی، دہلی کے ائمہ فن میں شمار ہوتے تھے، انھوں نے نوسوچی سے، نوسوچی نے حمید الدین الضریر سے، انھوں نے کردری سے اور کردری نے براہ راست علامہ مرغینانی سے حصول علم کیا تھا۔[5]

شیخ وجیہ الدین کے ایک شاگرد (سراج الدین عمر بن اسحاق بن احمد ابوحفص تھے، ان سے الجواہر المضیئۃ کے مؤلف الامام المحدث عبدالقادر محمد قرشی مصری (م ۷۷۵ھ) کو بھی تلمذ کی نسبت حاصل تھی، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اندرون ملک ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ بیرون ہند،

---

[1] عہد وسطیٰ کی ایک جھلک ص ۲۰۰ نیز دیکھئے پروفیسر ایشوری پرشاد کی کتاب History of The Qaraunah Turks in India - P 311۔ [2] تذکرہ علمائے ہند (تحقیق و ترجمہ ایوب قادری)، صفحہ ۱۳۰، [3] فوائد الفواد فارسی صفحہ ۲۰۸، ۳۲۶، [4] دیکھئے تاج العروس مادہ صغن اور ماہنامہ معارف ج ۸۳ صفحہ ۱۲۹، [5] الجواہر ج ۲ ص ۲۸۶۔ [6] ایضاً ج ۲ ص ۲۸۲۔

مصر جیسے مرکز علم میں بھی فقہ اور خصوصاً ہدایہ جیسی کتاب کی اشاعت کا ایک ذریعہ ہندوستان بھی تھا، سراج الدین عمر بن اسحاق غزنوی ہندی کے تلمذ ہدایہ کی سند یہ ہے، ابوالقاسم تونجی، عن حمید الدین الضریر، عن الکردری، عن صاحب الہدایہ[1]

"الامام العلامہ" رکن الدین بدایونی بھی ہدایہ کی تدریس میں خصوصی شہرت رکھتے تھے۔ شیخ وجیہ الدین پائلی کی طرح ان کو بھی امام نوسوجی، حمید الدین ضریر کردری کے صرف تین واسطوں سے صاحب ہدایہ کی شاگردی کا شرف حاصل تھا۔[2]

سرزمین ہند کو علامہ مرغینانی سے ایک اور نسبت بھی حاصل ہے، اور وہ یہ کہ علامہ قاضی عبدالسمیع حنفی اندجانی جو فلسفہ وحکمت کے مشہور علماء میں تھے، مولانا احمد جند سے تعلیم حاصل کی اور مغل بادشاہ اکبر کے زمانہ میں ہندوستان آئے تو بادشاہ نے ان کو قضاء اکبر کے منصب پر فائز کیا، وہ ہدایہ کے مؤلف علامہ مرغینانی کی نسل سے تھے، اور شرح مواقف، شرح مطالع اور ان کے حواشی کی تدریس میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتے تھے۔[3]

درس ہدایہ کا ایک عجیب واقعہ

شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے یہاں مختلف علوم وفنون کے ماہرین یکجا ہوتے ان میں ایک مولانا فخر الدین زرادی بھی تھے، خواجہ میر خورد (سیر الاولیاء کے مؤلف جنھوں نے اپنی اس کتاب میں سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے حالات وواقعات درج کیے ہیں،) کے والد نے خانقاہ سے متعلق ایک مدرسہ قائم کر دیا تھا۔[4] خواجہ میر خورد کہتے ہیں کہ چاشت کی نماز کے بعد مولینا فخر الدین ہدایہ کا درس دیا کرتے تھے، ایک دن عالم ربانی مولنا کمال الدین سامانی جو مشاہیر علماء میں تھے، سلطان المشائخ کی زیارت کو

[1] الجواہر ج ۱، ص ۳۹۲ [2] ایضاً ص ۲۹۶ [3] نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۱۶۹، بحوالہ ہفت اقلیم مولفہ امین بن احمد رازی۔ [4] سیر الاولیاء ص ۲۰۸۔

تشریف لائے وہاں سے جب واپس ہوئے تو اس تعلق کی وجہ سے جو انھیں مولنا فخر الدین سے تھا، اس مجلس میں حاضر ہوئے، (سیر الاولیاء ص ۲۶۸)

یہ مولنا کمال الدین غالباً کوئی غیر حنفی عالم تھے، ان کی آمد پر مولنا فخر الدین نے ہدایہ پڑھانے کا طریقہ بدل دیا، میر خورد لکھتے ہیں کہ جب انھوں نے مولنا کمال الدین کو دیکھا تو

چون خدمت مولانا کمال الدین دید احادیث تمسکات ہدایہ را ترک دادہ۔ (سیر الاولیاء، ص ۵۳)	جب انھوں نے مولنا کمال الدین کو دیکھا تو احادیث ہدایہ سے استدلال ترک کر دیا۔

یعنی حنفی مسلک کی تائید میں صاحب ہدایہ جن حدیثوں کو عموماً پیش کرتے ہیں مولنا فخر الدین ان حدیثوں سے استدلال ترک فرما کر اور ہدایہ کی حدیثوں کو چھوڑ کر صحیحین کی حدیثوں سے استدلال فرمانے لگے۔

ہدایہ کی جن حدیثوں کے نیچے ارباب حاشیہ "غریب جدا" "نادر جداً" کے الفاظ لکھ دیا کرتے ہیں، یہ غرابت وندرت صرف لفظ کی حد تک ہے ورنہ اگر الفاظ سے قطع نظر کر لیا جائے تو انہی حدیثوں کے مفہوم اور مفاد کو اکثر وبیشتر صحاح کی حدیثوں کے الفاظ سے بھی ثابت کیا جا سکتا ہے۔[1]

ہدایہ کے مآخذ ومصادر

علمائے متقدمین کے یہاں، اپنے ماخذ کا حوالہ دیتے وقت بالعموم تصنیفات کے بجائے ان کے مصنفین کے ناموں کے ذکر کرنے کا رواج تھا، اس سلسلہ میں جن فقہاء ومحدثین کے حوالے، ہدایہ میں مصادر اور مآخذ کے طور پر مذکور ہیں، ان میں سر فہرست تو ائمہ اربعہ (امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ) ہیں پھر ابوداؤد وابن ماجہ سوا بقیہ کتب صحاح کے مولفین کے علاوہ ہدایہ میں جن علماء ومؤلفین سے استفادہ کیا گیا ہے، ان کے نام درج ذیل ہیں،

[1] نظام تعلیم وتربیت ج ۱ ص ۱۵۶۔

فقیہ ابوبکر محمد بن فضل کماری بخاری، ابوجعفر بلخی ہمدانی (م ۳۶۲ھ)، ابوحفص الکبیر احمد بن حفص (م ۲۱۷ھ)، قاضی عبدالحمید بن عبدالعزیز (م ۲۹۲ھ)، موسیٰ بن سلیمان جوزجانی (م بعد ۲۰۰ھ)، ابواللیث سمرقندی (م ۳۳۲ھ)، ابومنصور ماتریدی (م ۳۳۲ھ)، قاضی ابن ابی لیلیٰ (م ۱۴۸ھ)، ابن سماعہ (م ۲۳۳ھ)، ابن شبرمہ (م ۱۴۴ھ)، امام اوزاعی (م ۱۵۷ھ) حسن بن زیاد لؤلؤی شاگرد امام ابوحنیفہ، جنھوں نے ۱۲ ہزار حدیثوں کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا، (م ۲۰۴ھ)، ابوبکر احمد بن عمرو شیبانی الخصاف (م ۲۶۱ھ)، خلیل بن احمد فراہیدی ازدی (م ۱۷۰ھ)، خواہر زادہ (م ۴۸۳ھ)، امام زعفرانی الشافعی (م ۲۶۰ھ)، امام زہری (م ۱۲۴ھ)، شمس الائمہ سرخسی (م ۴۹۴ھ)، شمس الائمہ حلوانی (م ۴۴۹ھ)، امام طحاوی (م ۳۲۱ھ)، امام فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی (م ۴۸۲ھ)، امام ابوالحسین احمد بن محمد قدوری (م ۴۲۸ھ)، امام ابوالحسن عبیداللہ کرخی (م ۳۴۰ھ)، امام عبداللہ بن مبارک (م ۱۸۱ھ)، ابن السکیت (م ۲۴۴ھ)، اصمعی (م ۲۱۶ھ)، محمد بن شجاع ثلجی (م ۲۶۶ھ)، معلی بن منصور رازی (م ۲۱۱ھ)، ابوالعباس احمد ناطفی مؤلف الواقعات (م ۴۴۶ھ)،

ہدایہ کی خصوصیات ۱۔ جامعیت اور حسن بیان: مولانا انور شاہ کشمیری فرماتے تھے کہ ائمہ فقہ کے آثار کی تشریح، حسن بیان، واضح اور فصیح طرز تحریر اور دقیق مباحث کی اطمینان بخش تشریح و ترتیب کے لحاظ سے چاروں فقہی مسالک میں ہدایہ جیسی کوئی دوسری کتاب موجود نہیں، وہ فرماتے ہیں کہ دریاؤں کی روانی، اس کی موجوں اور لہروں یا کسی چمن زار کی مدح و توصیف، پھولوں اور باغات کے منظر کو دلکش اور خوبصورت انداز میں بیان کرنا کوئی بڑی اور انوکھی بات نہیں، انشا پردازی کا کمال، اور ادب کا جمال تو درحقیقت اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب کہ

پیچیدہ مباحث اور دقیق مسائل کو آسان اور رواں اسلوب میں بیان کر دیا جائے، اور فصاحت و بلاغت کے آداب سے بھی سرمو انحراف نہ کیا جائے، مولانا کشمیری فرماتے تھے کہ مجھ سے ایک صاحب علم نے یہ پوچھا کہ کیا آپ فتح القدیر جیسی شرح لکھ سکتے ہیں، میں نے اثبات میں جواب دیا تو انھوں نے کہا کہ "اور ہدایہ جیسی کوئی تصنیف؟" میں نے عرض کیا کہ ہرگز نہیں، میں ہدایہ کی طرح چند سطریں بھی لکھنے پر قادر نہیں"[1]

۲۔ قرآن مجید اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استدلال: صاحب ہدایہ نے مسائل فقہیہ کے لیے سب سے پہلے قرآن شریف کی آیات اور پھر احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استدلال کیا ہے، چنانچہ علامہ عینی لکھتے ہیں۔ "وہ امکانی حد تک قرآن و حدیث کے نصوص ترک نہیں کرتے۔"[2]

یعنی امکانی حد تک اس بات کی جستجو میں رہتے ہیں کہ مسائل کے بارے میں قرآن و حدیث کے نصوص ہی سے استدلال کریں، جب وہاں کوئی نص نہیں ملتی تو جیسا کہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت معاذ بن جبلؓ سے گفتگو ہوئی اور آپ نے، قرآن و حدیث میں کسی مسئلہ کے بارے میں وضاحت یا رہنمائی نہ پانے کی صورت میں اجتہاد کی راہ بتائی،[3] یہی راہ صاحب ہدایہ بھی دوسرے تمام ائمہ و فقہا کی طرح اختیار کرتے ہیں، وہ ایسے اجتہادی مسائل میں اصول استنباط اور شریعت کے قواعد کلیہ کو اپنا مستدل بناتے ہیں، اور اس بارے میں، عقلی، لغوی، عرفی دلائل و قرائن سے بھی مدد لیتے ہیں، دراصل ہدایہ کے مباحث کا یہی حصہ علامہ مرغینانی کے مفاخر میں شمار کیا گیا ہے، جس میں وہ حنفی مسلک ہی نہیں بلکہ دیگر فقہی مسلکوں کے مؤلفین کے مقابلہ میں بھی ممتاز نظر آتے ہیں، اور ان کی علمی، عقلی اور اجتہادی صلاحیتوں کی آماجگاہ یہی مباحث ہیں، انھوں نے جس کثرت اور التزام کے ساتھ ہر ایک

---

[1] مقدمہ نصب الرایہ ص ۱۴ ملخصاً، [2] البنایہ ج ۱ ص ۳۰ [3] مشکوۃ باب العمل فی القضاء والخوف،

مسلک کی تائیدی روایات اور حنفی مسلک کی مستدل احادیث پیش کی ہیں، ان کی وجہ سے صحیح بخاری کی طرح ہدایہ بھی فقہ حدیث کا ایک قیمتی ماخذ بن گئی ہے، اور ذوق اجتہاد اور طریق استنباط کے تعارف میں ان کے اس طریق کار سے بڑی مدد ملتی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اس کتاب نے صرف رجال فقہ ہی کو نہیں بلکہ محدثین کبار کو بھی اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے۔

احادیث ہدایہ کی تخریج اکابر محدثین ابتدائے عہد تالیف ہدایہ سے ہی، ہدایہ کی پیش کردہ روایات پر اپنی صلاحیتیں صرف کرتے رہے ہیں، چنانچہ ہدایہ کی بیان کردہ روایات و احادیث کی تخریج کے سلسلہ میں خاص طور پر درج ذیل کوششیں قابل ذکر ہیں:۔

۱۔ شیخ محی الدین عبدالقادر قرشی مصری نے ہدایہ کی احادیث کی تخریج کی اور العنایہ کے نام سے ۷۷۵ھ میں ایک مستقل کتاب لکھی[1]، اسکے علاوہ امام الہند کے نام سے بھی انھوں نے ایک کتاب تصنیف کی

۲۔ شیخ علاء الدین علی بن عثمان (معروف بہ ابن الترکمانی ماردینی م ۷۵۰ھ) نے دو جلدوں میں الکفایۃ فی تخریج احادیث الہدایہ تالیف فرمائی۔[2]

۳۔ امام جمال الدین یوسف زیلعی (م ۷۶۲ھ) نے دو جلدوں میں نصب الرایۃ لاحادیث الہدایہ مرتب کی۔

۴۔ امام زیلعی کی نصب الرایہ کی تلخیص، حافظ حدیث علامہ احمد بن علی ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) نے الدرایہ فی منتخب احادیث الہدایہ کے نام سے لکھی جس میں وہ لکھتے ہیں کہ امام زیلعی نے، صاحب ہدایہ کی بیان کردہ تمام ہی احادیث و آثار کا احاطہ کر لیا ہے، پھر ہر باب میں مخالفین کے دلائل بھی ذکر کر دیئے ہیں، وہ بہت زیادہ انصاف پسند شخص ہیں، جو کچھ انھیں دستیاب ہوا، بے تکلف بیان کر دیا، اسی لئے ان کی کتاب توجہ خاص کا مرکز بن گئی۔[4]

۱؎ کشف الظنون نمبر ۲۰۳۴، تاج التراجم ص ۲۰ ۲؎ الاعلام ج ۴ ص ۳۶۵ ۳؎ کشف الظنون نمبر ۲۰۳۵ ۴؎ ایضاً نمبر ۲۰۳۶

۵۔ ابوالعباس سروجی نے "الغایہ فی شرح الہدایہ" میں اور (مصر کے قاضی القضاۃ) ابوحفص عمر بن اسحاق غزنوی نے "توشیح الہدایہ" میں بھی احادیث ہدایہ کی تخریج کا التزام کیا ہے۔[1]

۶۔ شیخ قاسم بن قطلوبغا نے جو علامہ ابن حجر عسقلانی کے معروف اور مایۂ ناز شاگرد ہیں۔ "منیۃ الالمعی فیما فات من تخریج احادیث الہدایہ" لکھی، لیکن اس کتاب کا کامل نسخہ دستیاب نہیں، شیخ زاہد کوثری نے ۱۹۵۰ء میں مصر سے جو ناتمام نسخہ شائع کیا ہے وہ کتاب الطہارۃ سے کتاب الوصیۃ تک ہے، اور آخر میں ضمیمہ کے طور پر شیخ قاسم بن قطلوبغا کے وہ حواشی بھی شائع کر دیئے ہیں جو انھوں نے "الدرایہ" کے ایک نسخہ پر بطور استدراک جابجا اپنے قلم سے تحریر فرمائے تھے، یہ الدرایہ جلد اول کا نسخہ ہے، جو محدث شہیر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی کی تلاش اور اور توجہ کے نتیجہ میں سامنے آیا، اندازہ یہ ہے کہ اسی طرح کے حواشی الدرایہ حصۂ دوم پر بھی تحریر کیئے ہوں گے مگر اس کے بارے میں کسی قسم کی کوئی اطلاع نہیں، حصۂ اول کے حواشی میں ۲۹ احادیث کی نشاندہی اور ان پر بحث کی گئی ہے۔

ہدایہ کی بعض روایات میں غرابت ہدایہ میں کچھ ایسی روایات بھی ہیں، جن کے بارے میں امام زیلعی اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے "غریب" ہونے کی صراحت کی ہے، لیکن کسی روایت کے غریب ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اب وہ روایت ناقابل اعتبار یا ضعیف قرار پا گئی ہو۔ اور اس سے مسائل و احکام میں استدلال کرنا درست نہ سمجھا جائے، شافعی علماء میں امام رافعی صف اول کے لوگوں میں بلکہ ان میں بھی سرفہرست سمجھے جاتے ہیں، ان کی ذکر کردہ احادیث کی، علامہ ابوحفص عمر بن الملقن نے تخریج کی ہے اور انھوں نے بھی امام رافعی کی مستدل کچھ روایات کو غریب قرار دیا، ہے۔[2] دراصل ایک روایت غریب ہوتے ہوئے بھی صحیح یا حسن ہو سکتی ہے، اور ایسی صورت میں

۱؎ منیۃ الالمعی ص ۹ ۲؎ ایضاً ص ۶۱ تا ۶۲

اہل فقہ کے یہاں اس سے استدلال کیا جائے گا، علم حدیث کی فنی زبان میں "غریب" ایک اصطلاحی لفظ ہے، جو اردو کے مفہوم میں مستعمل نہیں ہوا، بلکہ حدیث کی، سند کے اعتبار سے ایک خاص قسم کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، راوی کے حالات اور مزید قرائن کے پیش نظر، ایک غریب روایت مقبول ہوسکتی ہے، اور اس سے استدلال بھی کیا جاسکتا ہے [1]

امام ابو اسحاق نے مہذب میں اور امام الحرمین نے نہایہ میں ضعیف روایات سے بھی استدلال کیا ہے، اور امام بیہقی، امام نووی اور امام منذری نے کئی موقعوں پر اس بات کو تسلیم بھی کیا ہے، [2] احادیث کی وہ قسم جسے موقوف یا مراسیل صحابہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، احناف کے یہاں اسے بھی قیاس پر مقدم سمجھا جاتا ہے، امام مالک کا بھی یہی مسلک ہے [3] چنانچہ صاحب ہدایہ نے اگر کہیں صحیح و حسن کے علاوہ حدیث کی دوسری اقسام سے استدلال کیا ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دیگر ائمہ احناف کی طرح، ان مختلف اقسام کی موجودگی میں، جب کہ صحیح اور حسن روایات نہ ہوں، قیاس کا سہارا نہیں لیتے بلکہ ممکن حد تک احادیث ہی کو اپنا منزل بناتے ہیں۔

ہدایہ کی بعض روایات کے بارے میں امام زیلعی یا علامہ ابن حجر نے عدم علم یا عدم وجود کی بھی صراحت کی ہے، اس موقع پر یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ ان دونوں حضرات یا ان میں سے کسی ایک نے جن روایتوں کے بارے میں "لا اصل لہ" یا "لم اجدہ" وغیرہ جیسے الفاظ درج کئے ہیں، ان کی ایک بڑی تعداد کی شیخ قاسم بن قطلوبغا نے نشاندہی کی ہے، یا جن روایات کے بارے میں ان حضرات نے غریب ہونے کا دعویٰ کیا ہے، ان کی متابع روایات بھی

[1] دیکھئے نزہۃ النظر فی شرح نخبۃ الفکر ص ۱۰ تا ص ۱۱ نیز تدریب الراوی اور اصول حدیث پر لکھی گئی، دیگر کتابیں [2] مقدمہ شرح النقایہ ص ۱ [3] ایضاً

شیخ قاسم نے درج کردی ہیں، اور بتایا ہے، کہ وہ، دوسری اسناد کے ساتھ کہاں اور کن کن کتابو میں نقل کی گئی ہیں، چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:۔

۱- حدیث "الختان طیب" حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ یہ حدیث مجھے نہیں ملی (لم اجدہ) شیخ قاسم نے بتلایا ہے کہ طبرانی کبیر میں یہ روایت موجود ہے، (تعلیقات نمبر ۳، منیۃ الالمعی ص ۶)

۲- حدیث "ادرؤا الحدود بالشبہات" حافظ کہتے ہیں کہ یہ روایت نہیں ملی، حالانکہ حارثی نے اپنی مسند میں ابن عباسؓ سے اس حدیث کو نقل کیا ہے، (تعلیقات نمبر ۱، منیہ ص ۲۲)

۳- امام زیلعی لکھتے ہیں کہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان عند فقد السواک یعالج بالاصبع یہ روایت غریب ہے، حالانکہ مسند احمد نے حضرت علیؓ سے اور طبرانی نے حضرت ابو ایوبؓ سے اسی روایت کو نقل کیا ہے، (المنیۃ ص ۱۱ حدیث نمبر ۵)

۴- باب صلوٰۃ الکسوف، پانچویں حدیث کے بارے میں بھی امام زیلعی نے غرابت کا حکم لگایا ہے، لیکن شیخ قاسم لکھتے ہیں کہ محمد بن الحسن نے بھی اس روایت کو کتاب الاصل میں نقل کیا ہے اس لئے یہ حدیث غریب نہیں ہے، (المنیۃ ص ۳۲)

امام زیلعی کی نصب الرایہ پر شیخ کے استدراکات یا علامہ ابن حجر کی الدرایہ پر ان کے تعلیقات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ برہان الدین مرغینانی کی ہدایہ میں نقل کردہ بعض روایات پر "لا اصل لہ"، "لم اجدہ" یا "غریب" اور "فیہ غرابۃ" جیسے الفاظ، صاحب ہدایہ کے بارے میں تنقید کا حرف آخر نہیں ہیں، پھر یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ

"امام مرغینانی نے جو روایات درج کی ہیں ان کا ماخذ، حدیث کی مشہور و متداول کتب کے علاوہ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام طحاوی، خصاف، جصاص رازی اور کرخی وغیرہ بھی ہیں، اور یہ وہ ائمہ تھے، جو اپنے سلسلۂ اسناد سے روایات کا ایک

وافر ذخیرہ رکھتے تھے۔"[۱]

صاحب ہدایہ کے مآخذ میں ایک نام امام حسن بن زیادہ اللؤلؤی کا بھی ہے، جو امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے اور انھوں نے احادیث کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا جس میں بارہ ہزار حدیثیں تھیں[۲] یہ اور ایسے ہی دوسرے مصادر بھی صاحب ہدایہ کے پیش نظر تھے، چنانچہ صاحب ہدایہ میں فقیہ اور محدث کی دوگونہ صفات یکجا ہو گئی تھیں، یہاں اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے، کہ صاحب ہدایہ نے استدلال کی غرض سے جو روایات درج کی ہیں، ان میں بقدر استدلال حصوں ہی پر انھوں نے اکتفا کیا ہے، جیسا کہ خود امام بخاریؒ نے بھی، تراجم و ابواب کی مناسبت سے احادیث کے مختلف اجزاء ہی جا بجا نقل کئے ہیں، پھر کہیں کہیں صاحب ہدایہ ایجاز و اختصار کی غرض سے روایت بالمعنی سے بھی کام لیتے ہیں اور پوری روایت یا اس کے تمام الفاظ کی تلاش و جستجو کا کام، قاری ہدایہ پر چھوڑ دیتے ہیں، لیکن اس قدر تفصیلی گفتگو کے بعد، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ صاحب ہدایہ نے کہیں کہیں بعض ایسی روایات حدیث سے استدلال کیا ہے، جن کے مقابلہ میں ان ہی مسائل کے استدلال کے لیے، موجودہ ذخیرۂ احادیث میں زیادہ صحیح روایات موجود ہیں، چنانچہ ہدایہ کے شارحین نے ان روایات کی نشاندہی کی ہے، علامہ عینی نے بھی اپنی شرح البنایہ کی ایک خصوصیت یہ قرار دی ہے کہ

"اس میں احادیث صحاح کو استدلال کیلئے پیش کیا گیا ہے بعض مجروح روایات جن سے ہدایہ میں اخذ مسائل کے لیے مدد لی گئی ہے انکی وضاحت کرنے کے ساتھ ہی ثقہ راویوں کی بیان کردہ روایات کے ذکر کی طرف خاص طور پر توجہ دی گئی ہے۔"[۳]

تسامحات ہدایہ، فقہ کی دوسری کتابوں اور خاص طور پر قدوری کی ترتیب کے مطابق مرتب کی گئی ہے، لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس میں باب الفرائض و وراثت کی تقسیم سے متعلق مسائل کا باب نہیں ہے،

۱۔ منیۃ الالمعی ص ۵ ۲۔ الفوائد البہیۃ ص ۲۸ ۳۔ البنایہ ج۱ ص ۵

ممکن ہے، صاحب ہدایہ کو سہو ہو گیا ہو یا پھر اس کی اصل وجہ یہ ہو کہ وہ اس سے قبل خاص فرائض ہی کے موضوع پر ایک مستقل کتاب، کتاب الفرائض لکھ چکے تھے، اس لئے انھوں نے ہدایہ میں اس باب سے متعلق گفتگو کرنی مناسب نہ سمجھی ہو، ہدایہ میں دیگر تمام عظیم مصنفین کی کتابوں کی طرح چند تسامحات بھی ہیں، چنانچہ شیخ محی الدین عبد القادر قرشی حنفی مصری نے اپنی شرح العنایۃ بمعرفۃ احادیث الہدایہ میں، صاحب ہدایہ کے تسامحات کا تفصیل اور التزام کے ساتھ ذکر کیا ہے، الجواہر المضیئۃ ج ۲ صفحات ۴۳۸ اور ۴۴۰ میں بھی انھوں نے تسامحات کی تین مثالیں درج کی ہیں، مولانا عبد الحئی فرنگی محلی نے العنایہ، فتح القدیر، البنایہ وغیرہ مختلف شرحوں کی مدد سے ہدایہ اول و دوم میں گیارہ اور سوم چہارم میں ۹ غلطیوں کی نشاندہی کی ہے، نیز مدینۃ الدرایہ کی فصل المذکورین میں مزید دو کا اضافہ کیا ہے، جس میں ایک مکرر ہے، اس طرح تسامحات کی تعداد ۲۱ ہو جاتی ہے، اس میں چند تو واضح طور پر سہو کتابت کا نتیجہ ہیں، چند میں اسماء رواۃ کی ترتیب بدل گئی ہے، اور چند وہ ہیں، جن میں بعض ائمہ فقہ کی طرف وہ قول منسوب ہو گیا ہے، جس کے وہ کبھی قائل نہیں رہے، چونکہ یہ تسامحات لفظی ہیں یا خالص طالب علمانہ، اس لئے اس مقالہ میں ان کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔

ہدایہ کی شروح و حواشی کشف الظنون نے (۲۰۳۲ سے ۲۰۴۴ تک) ہدایہ کی جن مکمل شرحوں یا اس کے مختلف اجزاء کی شروح اور تعلیقات و حواشی کا ذکر کیا ہے، ہم یہاں صرف ان کے ناموں ہی پر اکتفا کریں گے، ان کے علاوہ جن مزید شرحوں کا علم ہو سکا ہے حوالجات کے ساتھ وہ بھی درج فہرست کی جا رہی ہیں، تخریج احادیث ہدایہ کے ذیل میں جن کتابوں کا ذکر کیا جا چکا ہے ان کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔

۱۔ النہایہ۔ حسام الدین صغناقی (م ۷۱۰ھ)، علامہ سیوطی کی رائے کے مطابق یہ ہدایہ کی سب سے پہلی شرح ہے،

۲- الفوائد - حمید الدین علی بن محمد الضریر بخاری (م ۶۶۷ھ) بعض لوگوں کی رائے کے مطابق ہدایہ کی پہلی شرح یہی ہے۔

۳- معراج الدرایہ الی شرح الہدایہ - قوام الدین محمد بن محمد کاکی بخاری (م ۷۴۹ھ) ۲۱ محرم ۷۴۵ھ میں اس شرح کی تکمیل ہوئی۔

۴- غایۃ البیان و نادرۃ الاقران - قوام الدین امیر کاتب الاتقانی (م ۷۵۸ھ)

۵- الکفایہ - محمود بن عبید اللہ بن محمود تاج الشریعہ مؤلف الوقایہ،

۶- فتح القدیر - کمال الدین محمد بن ہمام (م ۸۶۱ھ) یہ ہدایہ کی سب سے بہتر شرح ہے، جسے مؤلف نے کتاب الوکالہ تک تحریر کیا تھا۔

۷- تکملہ فتح القدیر - زکریا بن بیرام الفقی (م ۱۰۰۱ھ) مؤلف نے فتح القدیر کے باقی ماندہ حصوں کی ۹۹۲ھ میں تکمیل کی۔

۸- نہایہ - الکفایۃ فی درایۃ الہدایہ - تاج الشریعہ عمر بن صدر الشریعہ الاول عبید اللہ المحبوبی

۹- الغایہ - قاضی ابو العباس احمد بن السروجی (م ۷۱۰ھ) یہ شرح نامکمل رہ گئی تھی، اور قاضی سعد الدین محمد دیری (م ۸۶۷ھ) نے کتاب الایمان سے کتاب الردہ تک شرح لکھکر اس کی تکمیل کی۔

۱۰- شرح ہدایہ - حافظ الدین ابو البرکات عبد بن احمد نسفی (م ۷۱۰ھ)

۱۱-۱۲- شیخ سراج الدین عمر بن اسحاق غزنوی ہندی (م ۷۷۳ھ) نے دو شرحیں لکھیں۔ شرح کبیر، جس کا نام توشیح ہے، اور شرح صغیر جو چھ جلدوں میں ہے اور بحث و جدل کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

۱۳- عنایہ - اکمل الدین محمد بن محمود بابرتی حنفی (م ۷۸۶ھ) مؤلف نے قوام الدین

سکاکی سے ہدایہ کی روایت کی ہے، اور بقول حاجی خلیفہ چلپی، ۲ جلدوں میں اچھی شرح لکھی ہے، بلاد روم میں اس کو قدر و اعتبار کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔

۱۴- شرح - علاء الدین علی بن محمد خلاطی (م ۷۰۸ھ)

۱۵- شرح - علاء الدین علی بن الترکمانی ماردینی (م ۷۵۰ھ) یہ شرح نامکمل رہ گئی تھی، جس کی تکمیل ان کے صاحبزادہ جمال الدین عبد اللہ (م ۷۶۹ھ) نے کی۔

۱۶- النہایہ[1] - قاضی بدر الدین محمود بن احمد عینی (م ۸۵۵ھ) شرح کی تکمیل ۱ محرم ۸۵۰ھ میں ہوئی، جب کہ علامہ عینی کی عمر ۹۰ برس کی تھی،

۱۷-۱۸- ابو المکارم احمد بن حسن تبریزی جاربردی شافعی (م ۷۴۶ھ) اور تاج الدین احمد مصر (م ۷۴۴ھ) نے بھی ہدایہ کی الگ الگ شرحیں لکھیں۔

۱۹- ارشاد الہدایہ فی شرح الہدایہ - مصلح الدین مصطفیٰ دوغمش قرمانی (م ۸۰۹ھ)

۲۰- زبدۃ الدرایۃ - قاضی عبد الرحیم بن علی آمدی، یہ شرح کچھ کمی بیشی کے ساتھ شرح عینی ہی سے ماخوذ ہے۔

۲۱- شرح - احمد بن حسن معروف بہ ابن الزرکشی (م ۸۳۹ھ) ابن الشحنہ کے خیال میں یہ شرح، سروجی کی شرح کا اختصار ہے، لیکن قرشی نے لکھا ہے کہ یہ دراصل شرح صغناقی کا انتخاب و تلخیص ہے۔[2]

۲۲- الدرایہ - محمد بن مبارک ملقب بہ معین ہروی۔

۲۳- شرح - ابو الفضل محمد ابن الشحنہ حلبی۔

۲۴- شرح - نجم الدین ابراہیم بن علی طرسوسی حنفی (م ۷۵۸ھ)، پانچ جلدیں۔

---

[1] لیکن خود علامہ عینی نے اپنی شرح کا نام البنایہ فی شرح الہدایہ بتایا ہے دیکھئے البنایہ کا مقدمہ ص ۵

[2] الجواہر ج ۱ ص ۶۴۔

۲۵۔ خلاصۃ النہایہ ۔ قاضی القضاۃ محمود بن احمد بن مسعود قونوی دمشقی معروف بہ ابن السراج یہ صغناقی کی شرح ہدایہ کی تلخیص ہے۔[۱]

مذکورہ کتابوں کے علاوہ مزید شارحین کے نام یہ ہیں۔

۲۶ تا ۳۱۔ شیخ تقی الدین ابوبکر بن محمد حصنی (م ۸۳۹ھ)، شیخ خداداد دہلوی، شیخ تاج الدین ابو محمد احمد بن عبد القادر حنفی (م ۷۴۹ھ) سید علی بن محمد جرجانی (م ۸۱۶ھ)، ابراہیم بن علی دمشقی (م ۷۴۴ھ) عبد الحلیم بن محمد معروف بہ اخی زادہ (م ۱۰۱۳ھ)

نامکمل شرحیں :۔ ۱۔ نہایۃ النہایہ ۔ محب الدین محمد معروف بہ ابن الشحنہ حلبی (م ۸۹۰ھ) فصل الغسل تک پانچ جلدیں ہیں، ۲۔ شرح ہدایہ ۔ شیخ حمید الدین مخلص بہ ابن عبد اللہ ہندی دہلوی (م ۷۶۴ھ)[۲] کشف الظنون نے المتخلص بن عبد اللہ نام درج کیا ہے۔

اجزاء ہدایہ کی شرحیں :۔ ہدایہ کے مختلف ابواب کی بھی شرحیں لکھی گئی ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے۔

۳۔ دیباچہ ہدایہ کی شرح۔ احمد بن مصطفی معروف بہ طاش کبری زادہ (م ۹۶۸ھ)

۴ تا ۸۔ مولیٰ عطاء اللہ، علی بن قاسم زیتونی، صاری کرز زادہ محمد (م ۹۹۰ھ) قرۃ یعقوب بن ادریس رومی (م ۸۳۲ھ) اور احمد بن سلیمان ابن کمال پاشا (م ۹۴۰ھ) نے کتاب الطہارۃ والزکاۃ والصوم اور کتاب النکاح والبیوع کی شرح لکھی۔

۹۔ شرح کتاب الحج ۔ ابن کمال۔

۱۰۔ شرح مختصر کتاب البیوع تک، ۔ علی بن محمد معروف بہ مصنفک (م ۸۷۵ھ)

۱۱۔ نہایہ الامجاد (شرح کتاب الجہاد من الہدایہ) مولیٰ ابو سعود۔

تعلیقات وحواشی :۔ ۱۔ ترغیب اللبیب ۔ ابن کمال، ایک مقالہ کی صورت میں ہے جس میں

---

[۱] الجواہر ج ۲ ص ۱۵۶ [۲] الثقافۃ الاسلامیہ ص ۱۰۵۔

ہدایہ کے مشکل مباحث کی تشریح اور دقیق مضامین کی شرح کی گئی ہے۔

۲۔ حاشیہ ۔ جلال الدین عمر بن محمد خبازی تکملۃ الفوائد کے نام کے محمد بن محمد قونوی نے مذکورہ حاشیہ کی تکمیل کی۔

اصحاب حواشی کے مزید اسمائے گرامی یہ ہیں :۔

۳۔ سراج الدین عمر بن علی کنانی معروف بہ قاری ہدایہ (م ۸۲۹ھ)

۴۔ محمد بن علی معروف بہ برکلی (م ۹۸۱ھ)

۵۔ باباز ادہ محمد قرمانی (م ۹۹۴ھ)، ۶۔ محی الدین محمد بن مصطفی معروف بہ شیخ زادہ (م ۹۵۱ھ)

۷۔ نجم الدین ابو الطاہر اسحاق بن علی حنفی (م ۸۱۱ھ) دو جلدیں۔

۸۔ السمرقندی الحمیدی نے سلطان محمد فاتح کے لئے نکات الوری کے نام سے مختصر حاشیہ لکھا جو کتاب الوقف تک ہے

۹ سیف الدین احمد (م ۹۱۶ھ) نے اوائل ہدایہ پر حاشیہ لکھا ہے، اسکے مؤلف امام سعد الدین تفتازانی کے پوتے ہیں۔

۱۰۔ محب الدین محمد بن احمد الموعوبہ مولانا زادہ اقسرائی حنفی (م ۸۵۹ھ)

۱۱۔ مصلح الدین مصطفی بن شعبان سروری (م ۹۶۹ھ) احادیث ہدایہ کے بارے میں تفصیلی بحث بھی کی ہے۔

۱۲۔ عبد الرحمن بن سیدی علی اماسی (م ۹۸۳ھ) ابتدا میں ترغیب اللبیب کے نام سے ایک مقدمہ بھی ہے۔

۱۳۔ علی منق بن بالی (م ۹۹۲ھ) یہ حاشیہ صرف کتاب الزکاۃ تک ہے۔

۱۴۔ ابو السعود بن محمد عمادی (م ۹۸۲ھ) صرف کتاب البیع پر حاشیہ ہے۔

ہدایہ کی تجرید واختصار | مسائل ہدایہ کو اسکے عقلی ونقلی دلائل ومباحث سے الگ کر کے علیحدہ یکجا کرنے کی بھی کوشش کی گئی ہے، اس سلسلہ میں جو کتابیں لکھی گئیں وہ یہ ہیں،

۱۔ الکفایہ ۔ ابن الترکمانی ماردینی (م ۷۵۰ھ) یہ غالباً ہدایہ کا اولین اختصار ہے۔

۲۔ سلالۃ الہدایہ ۔ ابراہیم بن احمد موصلی، اس اختصار کا زمانہ تصنیف ۸۰۰ھ کے بعد ہے۔

۳۔ الرعایہ فی تحریر مسائل الہدایہ ۔ ابو الملیح محمد بن عثمان معروف بہ ابن اقرب (م ۱۰۴۲ھ)

۴۔ عمدۃ اصحاب الہدایۃ والنہایۃ فی تجرید مسائل الہدایہ ۔ کمال الدین محمد بن احمد، ایک جلد ہے۔ مؤلف نے جمادی الآخرۃ ۱۰۲۴ھ میں اس کتاب کی تکمیل کی۔

۵-۶- خلاصۃ النہایہ فی فوائد الہدایہ- اور - التکملۃ من فوائد الہدایہ[۱]، دونوں کتابیں ایک ایک جلد میں ہیں مولفہ، قاضی القضاۃ محمود بن احمد قونوی دمشقی معروف بہ ابن السراج۔

۷- مختصر الہدایہ[۲]۔ شاہ اہل اللہ برادر شاہ ولی اللہ دہلوی۔

۸- تطہیر الاموال معروف بہ عطر ہدایہ۔ شیخ فتح محمد لکھنوی، معاملات خصوصاً مالی امور کے مباحث اور اس سلسلہ میں ہوا کی بحثوں کی تشریح و تسہیل کی گئی ہے، نیز عرف اور زمانہ کی تبدیلی سے اجتہادی امور میں جو تغیر ہوا ہے، اسکی تشریح کی ہے۔

قدوری پر ہدایہ کے زوائد

علامہ مرغینانی نے صراحت کی ہے کہ ہدایہ کا متن بنیادی طور پر قدوری سے ماخوذ ہے لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ ہدایہ میں قدوری سے زیادہ مسائل اور جزئیات پائے جاتے ہیں چنانچہ وہ مسائل اور جزئیات جن کا قدوری پر اضافہ کیا گیا ہے، شیخ نورالدین علی بن نصر (م ۶۹۵ھ) نے ان کو ایک جلد میں یکجا کر دیا۔

ہندوستان میں ہدایہ کے حواشی اور ترجمے

ہندوستان میں ہدایہ کی مستقل شرحوں کے علاوہ (جن کا ذکر کیا جا چکا ہے) حواشی بھی لکھے گئے ہیں، ہم ذیل کی سطروں میں ان علماء کی ایک فہرست[۳] درج کرتے ہیں، جنھوں نے ہدایہ پر اپنے اپنے زمانہ میں حواشی لکھے۔

(۱) شیخ حسین غیاث پوری بن عمر عریضی (م ۹۰۰ھ) (۲) مخدوم سید اشرف سمنانی کچھوچھوی (م ۸۰۸ھ) (۳) شیخ الہ داد جونپوری، (۴) شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی (۵) مفتی عبدالسلام اعظمی دیوی، (۶) شیخ محمد نعیم جونپوری (۷) شیخ پیر محمد جونپوری لکھنوی (۸) شیخ ولی اللہ لکھنوی (۹) شیخ عبدالحکیم لکھنوی، (۱۰) مولانا عبدالحلیم لکھنوی (۱۱) سید عبداللہ حسینی بلگرامی بن آل احمد (کتاب البیوع سے کتاب الشفعہ تک) (۱۲) مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی، (۱۳) مولوی محمد حسن سنبھلی و

ترجمے

مذکورۂ بالا حواشی کے علاوہ ہندوستان میں ہدایہ کے دو فارسی ترجمے بھی ہوئے ہیں، ایک ترجمہ شیخ عبدالحق سرہندی نے کیا تھا اور دوسرا ترجمہ قاضی غلام یحیٰ بہاری نے کسی انگریز افسر کی ایماء پر کیا تھا اور بعد میں شیخ محمد راشد بردوانی نے اس ترجمہ کی تصحیح کی اور اس کو دوبارہ مرتب کیا۔[۴]

مولانا سید امیر علی لکھنوی (ملیح آبادی) سابق مہتمم و شیخ الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا ہدایہ کا ایک اردو ترجمہ، نولکشور پریس سے پہلی بار شائع ہوا تھا، اسکے مقدمہ میں مولانا نے فقہ و اصول فقہ کے علاوہ، ہدایہ فہمی کے چند بنیادی اصول بھی بڑی وضاحت سے بیان کر دیئے ہیں۔

---

[۱] الجواہر ج ۲ ص ۱۵۰ [۲] الثقافۃ الاسلامیہ ص ۱۱۲ [۳] الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند ص ۱۰۶ [۴] ایضاً ص ۱۰۶

ڈاکٹر محمد ایوب قادری

از

جناب شمس بدایونی صاحب، بدایوں

ڈاکٹر محمد ایوب قادری سے میری دیرینہ ملاقات تھی، جب جب کراچی جانے کا موقع ملا، وہ بہت ہی عزیزانہ طور پر ملے، ہر ملاقات میں پہلے سے زیادہ اپنی ملنساری، شرافت طبع، عجز اور انکسار کا ثبوت دیتے، بہت سی کتابوں کے مصنف ہوتے، جیسا کہ حسب ذیل مضمون سے ظاہر ہوگا، انکے قلم میں بڑی برق روشنی تھی، کسی کتاب کو لکھنا یا ترجمہ کرنا شروع کرتے تو بڑی کم مدت میں یہ کام ختم کر دیتے، وہ جس بلند مرتبہ کے مصنف تھے، اپنے عجز و انکسار کی بدولت اس سے اپنے کو کم ہی ظاہر کرتے، وہ اپنی ہر کتاب دارالمصنفین ضرور بھیجتے اور اس کو یہ راقم شوق سے پڑھتا، جب انہوں نے کراچی کے قیام میں شاہنواز خاں کی تصنیف مآثر الامراء کی تین جلدوں کے ترجمے ہدیہ کیے، تو یہ تینوں جلدیں میری میز پر برابر رہیں، اور جب کبھی ان میں سے کسی اقتباس کو اصل فارسی سے ملایا، تو انکو ہر طرح صحیح، سلیس اور فصیح پایا، اس سے ترجمہ کرنے میں ان کی مہارت اور قدرت کا معترف ہوا، جب وہ طبقات اکبری کا ترجمہ کر رہے تھے تو ان سے یہ گفتگو آئی کہ اکبر نامہ کا ترجمہ ایک انگریز نے انگریزی میں کر دیا ہے، لیکن یہ بڑی ندامت اور شرم کی بات ہے کہ اب تک اس کا اردو میں ترجمہ نہیں ہو سکا، گو یہ بہت مشکل کام ہے، لیکن جب اس کا

ترجمہ انگریزی میں ہوسکتا ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ اردو میں نہ ہوسکے، جناب ایوب قادری صاحب نے کہا کہ طبقات اکبری کے ترجمہ کے بعد انشاء اللہ اکبرنامہ کی جلدوں کا ترجمہ کرکے لوگوں کی ندامت کو دور کردوں گا، اس سے مجھ کو بڑی خوشی ہوئی، گذشتہ نومبر میں میرے قیام کراچی ہی میں ان کی المناک وفات ہوئی، وفات سے ایک روز پہلے ان کا ٹیلی فون آیا کہ ہم ان کے ساتھ رات کو کھانا کھائیں، جس روز یہ دعوت طے تھی، اسی روز خبر ملی کہ وہ اللہ کو پیارے ہوئے، اس عظیم سانحہ سے بڑا دکھ ہوا، پاکستان کے تمام اخباروں میں ان کا بڑا ماتم ہوا، تمام مشاہیر کے تعزیتی بیانات شایع ہوئے، ان پر اخباروں میں اچھے مضامین بھی لکھے گئے، جس سے پتہ چلا کہ وہ اپنے علمی رتبہ کی وجہ سے وہاں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، ان سے جو علمی تعلقات تھے اس بنا پر برابر خیال رہا کہ ان پر ایک طویل مضمون لکھوں، لیکن اپنی مشغولیت کی وجہ سے یہ حق ادا نہ کرسکا، جس کا بڑا افسوس ہے، لیکن وہ برابر یاد آتے ہیں اور اکثر یاد آتے رہیں گے، ان کے چھوٹے بھائی جناب نعمت اللہ قادری عرف ابو معاویہ صاحب کو بھی دار المصنفین سے بڑا علمی لگاؤ رہا، انہوں نے تو اس کی زیارت کرنے کے لیے یہاں آنے کی زحمت بھی گوارا کی، وہ اس کی مطبوعات کے بڑے قدردان تھے اور اسکی اشاعت کیلئے برابر فکرمند رہتے، ان کی وفات بھی سڑک ہی پر ہوئی، موٹر سائکل کے حادثہ میں وہ جاں بحق ہوتے، دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ دونوں بھائیوں کو اپنی بے پایاں رحمتوں اور برکتوں سے سرفراز کرے، آمین! "ص۔ع"

ہندوپاک میں مستند علمی اور تحقیقی کام کرنے والوں کی تعداد بہت کم ہے، اور اس قلیل تعداد میں بھی ہر ایک عالم و محقق پر تکیہ نہیں کرسکتے، بلکہ ان میں بھی بعض اعلیٰ اور بعض اعلیٰ تر ہیں، انہی

ہستیوں میں ایک نام ڈاکٹر محمد ایوب قادری کا بھی ہے، جو ۲۵ نومبر ۱۹۸۳ء سے مرحوم کے اضافے کے ساتھ لکھا اور بولا جانے لگا ہے۔

ڈاکٹر محمد ایوب قادری کا نام اردو دنیا میں ایک ممتاز محقق، مولف اور مترجم کی حیثیت سے متعارف ہے، انہوں نے بعض ایسے علمی موضوعات کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا جو ارباب علم نظرانداز کیے ہوئے تھے، اور بعض ایسی کتابوں کو اردو دنیا سے متعارف کرایا جو نادر و کمیاب تھیں، قادری مرحوم کا موضوع تاریخ، سوانح، ادب، فن اسماء الرجال اور حوالہ جاتی ادب تھا، اس میں وہ شبلی اسکول سے بڑی حد تک قریب نظر آتے ہیں، ان موضوعات کی اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہے، ان پر وہی قلم اٹھا سکیگا جس نے خود کو علم و ادب کے لیے وقف کردیا ہو، یا تلاش و جستجو جس کا مزاج ہو، اور جس کی زندگی کا مقصد و مدعا بھی محض علم و ادب کی خدمت ہو، مشفق خواجہ لکھتے ہیں:

"قادری صاحب گزشتہ ربع صدی سے علم و ادب کی خدمت کررہے ہیں، ان کی علمی لگن کو دیکھ کر وہ علمائے سلف یاد آجاتے ہیں، جنھوں نے ہر طرح کی آسائشوں سے بے نیاز ہو کر خدمت علم ہی کو اپنا اصل کام سمجھا، قادری صاحب سے میرے مراسم تقریباً چھبیس (۲۶) برسوں سے ہیں، میں نے اس دوران میں انہیں علمی و ادبی موضوعات کے علاوہ کبھی کسی دوسرے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے نہیں دیکھا، وہ جب بھی ملے کسی نہ کسی علمی کام کی لگن میں سرشار ملے، کبھی کسی قدیم مطبوعہ کتاب کا ذکر ہے، تو کبھی کسی مخطوطے کا، کبھی کسی گمنام مصنف کے حالات کی تلاش ہے، تو کبھی کسی معروف مصنف کے کم معروف پہلو پر روشنی ڈالی جارہی ہے، خدا انہیں تادیر سلامت رکھے کہ ان سے مل کر یہ خوشی ہوتی ہے کہ ہمارا معاشرہ ان "دیوانوں" سے ابھی خالی نہیں ہوا، جو ہمیشہ "بکار علم ہشیار رہتے ہیں۔" (مشفق خواجہ، دیباچہ، کاروان رفتہ، کراچی ۱۹۸۳ء)

قادری مرحوم کے موضوعات تحقیق یوں تو بہت کچھ تھے، لیکن انھوں نے بحیثیت کیفیت و کمیت "حوالہ جاتی ادب" اور علمائے ہند و پاک کے مستند سوانح، مسلم تاریخوں اور علمار کی مستند مگر غیر معروف کتابوں پر جس انداز سے داد تحقیق دی ہے، وہ ان کے خاص موضوعات کہے جا سکتے ہیں، اس ضمن میں انھوں نے کثیر سرمایہ چھوڑا ہے،

قصبہ آنولہ ضلع بریلی کا ایک تاریخی قصبہ ہے، بجز قنوج کے اس کی تاریخی قدامت کی ہمسری اتر پردیش کا کوئی شہر نہیں کر سکتا، یہ حکومت روہیلہ کا پہلا دار الحکومت تھا، اور اس حکومت کے پہلے فرماں روا نواب علی محمد خاں (ف ۱۷۴۹ء) تھے، ان کی وفات کے بعد حافظ رحمت خاں ان کے جانشین ہوئے، جنھوں نے بریلی میں سکونت اختیار کر لی، نواب علی محمد خاں اور حافظ الملک حافظ رحمت خاں کے ابتدائی عہد میں روہیل کھنڈ کا صدر مقام آنولہ ہی رہا، اور اس دور میں یہاں[1] غیر معمولی ترقی ہوئی، مولوی حکیم عبد الغفور لکھتے ہیں:

"روہیلوں کے زمانے میں شہر آنولہ علمار، فضلار، شعرار، حکمار، اور اہل اللہ کا مرکز بن گیا، نواب علی محمد خاں کے فرزند نواب محمد یار خاں امیر کے دربار سے قدرت اللہ شوق، مصحفی، قائم چاند پوری اور فدوی لاہوری، جیسے مشاہیر شعرار وابستہ تھے، مصحفی نے آنولہ کی یاد بڑی دردمندی سے کی ہے، چنانچہ وہ اپنے تذکرے "ہندی گویاں" میں قائم کے ذکر میں لکھتے ہیں" واللہ کہ یاد آں صحبت داغ ناکامی بر دل دردمندی گزارد"[1]

حکیم نجم الغنی خاں رام پوری لکھتے ہیں:

"آنولہ نواب علی محمد خاں کے عہد میں دار الاسلام تھا، اور نواب ممدوح نے بڑی کوشش کے ساتھ اس کی آبادی میں ترقی دی تھی، قلعہ اور مسجدیں تعمیر کرائی تھیں؛

[1] سوانحات المتاخرین آنولہ ص ۱۲ (قلمی مملوکہ راقم الحروف) مؤلف مولوی حکیم عبد الغفور (مرحوم)

آنولہ کی دینداری پر بلاد اسلام کو رشک تھا"[1]

حافظ رحمت خاں کے بریلی منتقل ہونے اور اس کے شجاع الدولہ کے ہاتھوں تاخت و تاراج ہونے پر بھی اس کی رونق اور عظمت رفتہ کے کچھ نقوش نصف صدی تک قائم رہے، جن کی طرف ڈبلیو فرینکلن نے "ہسٹری آف شاہ عالم" میں اشارہ کیا ہے،

یہی وہ تاریخی قصبہ ہے جو ایوب قادری کا آبائی وطن تھا، ان کے مورث اعلیٰ روہیلوں کے عہد میں آنولہ آئے، نواب علی محمد خاں والی روہیل کھنڈ نے حضرت شاہ نوری غازیؒ کی زیارت کے بعد جو بڑی اراضی وقف کی تھی، اس کے متولی حکیم احمد اللہ تھے، جو اپنے دور کے نامور عالم اور خطیب تھے، ان کے صاحبزادے حکیم حبیب اللہ تھے، جو علم و فضل میں ممتاز تھے، ان کے فرزند حکیم عظیم اللہ قادری تھے جو علم الفرائض اور تجوید میں اعلیٰ دستگاہ رکھتے تھے، معارف المیراث، کاشف الحقائق، تفسیر سورۃ والعصر ان سے یادگار ہیں، انھوں نے بعض کتابوں پر حواشی بھی لکھے ۱۲۸۴ھ میں وفات پائی،[2]

حکیم عظیم اللہ قادری کے چار صاحبزادے حکیم الٰہی بخش، حکیم سعید اللہ، میاں وحید اللہ اور حافظ امام الدین تھے، حکیم سعید اللہ ۱۸۲۶ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۰۷ء میں وفات پائی، خاندانی پیشہ طب کرتے تھے، ۱۸۵۷ء میں خان بہادر خاں نبیرہ حافظ الملک حافظ رحمت خاں کی فوج میں بھرتی ہو کر گھگرالہ ضلع بدایوں اور کنیلہ فرخ آباد میں انگریزی فوج سے مقابلہ کیا، انھوں نے کئی کتابیں لکھیں اور بعض کتابوں پر قیمتی حواشی بھی لکھے ہیں،[3] حکیم سعید اللہ کے ایک فرزند مولوی رحیم بخش (۱۸۵۷ء – ۱۹۲۰ء) تھے، جنھیں فن خطاطی میں کمال حاصل تھا، ابن عربی کا خاص مطالعہ کیا تھا، عربی ادب پر بھی گہری نظر تھی، ان کے ایک فرزند مولوی مشیت اللہ (۱۸۸۹ء – ۱۹۵۹ء) تھے، اور یہ قادری مرحوم کے والد ماجد تھے، فارسی میں بہت اچھی قابلیت تھی، تاریخ اور انساب پر بڑی گہری نظر تھی، ڈاکٹر معین الدین عقیل ان کے متعلق[4]

[1] اخبار الصنادید، بحوالہ سوانحات المتاخرین آنولہ، [2] سوانحات المتاخرین آنولہ ص ۲۶-۲۴، [3] ایضاً ص ۴۸، [4] ایضاً ص ۵۰،

رقمطراز ہیں:

"تبلیغ دین اور مناظرہ سے خاص دلچسپی تھی، مختلف مقامات پر خصوصاً بمبئی ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۳ء کے دوران قیام میں مناظرے کیے، تبلیغی سرگرمیوں میں مصروف رہے، اور کئی غیر مسلموں کو مسلمان کیا، تحریک پاکستان کے زبردست مؤید تھے، ۱۹۵۱ء میں ہجرت کر کے پاکستان آئے، دادو (سندھ) میں مقیم ہوئے اور وہیں انتقال کیا، تاریخ و انساب اور "ردّ آریہ" اور "ردّ شیعہ" میں ان سے بعض کتابیں یادگار ہیں، پروفیسر قادری کے علاوہ عبدالقیوم، عنایت اللہ اور نعمت اللہ ان کے فرزند ہیں[1]؛

اس خاندانی تفصیل کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قادری مرحوم کا خاندان شروع سے علم و ادب کا گہوارہ رہا ہے، تاریخ، انساب اور علوم دینیہ سے دلچسپی اس کا نمایاں وصف رہا ہے، اور قادری مرحوم کو یہ چیزیں علمی وراثت میں ملیں،

محمد ایوب نام، قادری نام کا جزو ہے، ۲۸ جولائی ۱۹۲۶ء / ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۴۴ ہجری بروز بدھ قصبہ آنولہ میں پیدا ہوئے، قصبے کے ایک بزرگ مولوی حکیم عبدالغفور (ف ۱۹۶۴ء) نے ان کے کان میں اذان دی، اور "چراغ علم" سے تاریخ پیدائش نکالی، رواج کے مطابق ابتداءً قرآن مجید حافظ عبدالاحد اور حافظ عبدالغنی سے پڑھا، پھر مدرسہ تعلیم المومنین آنولہ میں مکتبی تعلیم پائی، ۱۹۳۹ء میں پرائمری کے امتحان میں درجۂ اول میں کامیاب ہوئے، اور وظیفہ تعلیم کے مستحق قرار پائے، ۱۹۴۲ء میں مڈل کے امتحان میں بھی درجۂ اول میں کامیاب ہوئے، ۱۹۴۷ء میں الٰہ آباد بورڈ سے میٹرک کا امتحان فرسٹ ڈویژن سے پاس کیا، اسی دوران میں انھوں نے فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں، فارسی کی کچھ کتابیں مولوی اسد علی خاں اور حکیم عبدالغفور سے پڑھیں، ۱۹۵۰ء میں انٹر اسلامیہ کالج بدایوں سے کیا، اواخر اپریل ۱۹۵۱ء میں ان کے والد ماجد نے پاکستان کو ہجرت

[1] ڈاکٹر معین الدین عقیل: تعارف غالب اور عصر غالب، کراچی ۱۹۶۷ء،

کی، قادری مرحوم سے والد کی جدائی برداشت نہ ہوئی، چنانچہ وہ بھی مئی ۱۹۵۱ء میں پاکستان پہنچے، ابتداءً والد کے ساتھ دادو (سندھ) میں ہی قیام کیا، تلاشِ روزگار میں کراچی پہنچے اور پھر تادمِ زندگی وہیں کے ہو رہے،

ستمبر ۱۹۵۱ء سے سپلائی اینڈ ڈویلپمنٹ (وزارت صنعت محکمۂ رسد و ترقیات) سے ملازمت کا آغاز کیا، جو مئی ۱۹۵۷ء تک قائم رہی، اس دوران میں تعلیمی سلسلہ بھی جاری رہا، ۱۹۵۶ء میں اردو کالج کراچی سے بی۔ اے کیا،

جناب سید الطاف علی بریلوی نے ہندوستان سے ہجرت کر کے کراچی میں سکونت اختیار کی اور آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس قائم کی، ایک سہ ماہی رسالہ "العلم" بھی جاری کیا، اسی دوران میں سید صاحب کی ملاقات قادری مرحوم سے ہوئی، انہوں نے ان کے جوہر ذاتی کو پرکھ لیا، "العلم" کے لیے ان سے کثرت سے مضامین لکھوائے اور شایع کیے، ۱۹۵۶ء میں قادری مرحوم کی پہلی تصنیف "مولانا فیض احمد بدایونی" شایع ہوئی، جو اگرچہ بہت مختصر تھی، لیکن اس سے انکی تحقیقی و تصنیفی صلاحیتوں کا اندازہ ہوا، ہسٹاریکل سوسائٹی کے معتمد ڈاکٹر معین الحق نے اپنے ادارہ میں معاون تحقیق اور ریسرچ افسر کی حیثیت سے بلا لیا، ملازمت کا یہ سلسلہ مئی ۱۹۵۷ء سے ۱۹۶۳ء تک قائم رہا، پروفیسر حبیب اللہ خاں غضنفر کے مشورہ پر جن کا ساتھ ہسٹاریکل سوسائٹی میں رہا تھا، انھوں نے ۱۹۶۲ء میں کراچی یونیورسٹی سے اردو میں ایم۔ اے کیا، اور یونیورسٹی میں دوسری پوزیشن حاصل کی، ایم۔ اے کی ڈگری سے ان کو یہ فائدہ ہوا، کہ ہسٹاریکل سوسائٹی کی ملازمت کے ساتھ ساتھ ان کو اردو کالج کراچی میں جز وقتی لکچرار کی حیثیت سے رکھ لیا گیا، ستمبر ۱۹۶۲ء سے ۴ مارچ ۱۹۶۳ء تک انھوں نے اس طرح تدریسی خدمت انجام دی، ۵ مارچ ۱۹۶۳ء سے اسی کالج میں مستقل لکچرر کی حیثیت سے وابستہ ہو گیے، کچھ دنوں بعد صدر شعبہ کے منصب پر فائز کر دیے گیے، ڈاکٹر معین الدین

عقیل لکھتے ہیں:

"اس عرصہ میں انھوں نے اپنی علمی و تدریسی حیثیت کے سبب ۱۹۷۵ء میں اردو کالج کی جانب سے "ہلال اردو تمغہ" کالج ٹیچرز ایسوسی ایشن کی طرف سے ۷۶ء میں "اکیڈمک ایوارڈ میڈل" اور اعلیٰ ثانوی تعلیمی بورڈ کی جانب سے، اسی سال قائداعظم کی صد سالہ تقریبات کے تعلق سے "تمغۂ قائداعظم" حاصل کیے، پھر اس عرصہ میں انھوں نے متعدد قومی اور بین الاقوامی مذہبی، تاریخی اور ادبی کانفرنسوں میں بھی مندوب کی حیثیت سے شرکت کی"۔[1]

۱۹۸۰ء میں انھوں نے کراچی یونیورسٹی سے اردو میں پی۔ ایچ۔ ڈی کیا، ان کے تحقیقی مقالہ کا موضوع "اردو نثر کے ارتقا میں علماء کا حصہ" (شمالی ہند میں ۱۸۵۷ء تک) تھا۔

افسوس ۲۵ نومبر ۱۹۸۳ء کو ایک کار ایکسیڈینٹ میں وہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

قادری مرحوم بحیثیت انسان بڑی خوبیوں کے مالک تھے، سادہ مزاج تھے، اور نام و نمود سے بے نیاز، صاف دل اور صاف گو ہونے کے ساتھ ساتھ وہ مخلص بھی تھے مصلحت کوشی، زمانہ سازی اور مذہب بیزاری سے کوسوں دور، علماء کی عزت اور اہل فن کی قدر کرنا ان کا شعار تھا، یہی وہ خوبیاں تھیں جنھوں نے ہر چھوٹے بڑے کے دل میں ان کا احترام پیدا کر دیا تھا، بقول شاعر ؎

صرف باتوں سے تو ہوتی نہیں عزت دل میں　　آنکھ کچھ دیکھتی ہے تب وہ ادب کرتی ہے

قادری مرحوم نے تصنیفات و تالیفات اور تراجم وغیرہ کی ایک بڑی تعداد اپنے پیچھے چھوڑی ہے۔

تصانیف

۱۔ مولانا فیض احمد بدایونی: مولانا فیض احمد ۱۸۵۷ء کے مجاہدین میں تھے، انھوں نے قوت سیف و قلم دونوں سے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے، کبھی وہ پادری فنڈر سے مناظرہ کرتے

[1] ڈاکٹر معین الدین عقیل، تعارف غالب اور عصر غالب (کراچی ۱۹۸۳ء)

نظر آتے، اور کبھی بہادر شاہ ظفر کی عدالت کے حاکم، کبھی انگریزوں سے برسرپیکار رہے، کبھی شعر و ادب سے شغل کرتے۔

غرض ان کی خدمات گوناگوں تھیں، قادری مرحوم نے اس کتاب میں ان کی متنوع شخصیت اور گوناگوں خدمات کا تعارف تاریخ و تحقیق کی روشنی میں کرایا ہے، یہ کتاب پاک اکیڈمی کراچی سے ۱۹۵۷ء میں شایع ہوئی۔

۲۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت: یہ کتاب تحقیقی انداز پر ترتیب دی گئی ہے، حضرت مخدومؒ کو ایک مافوق الفطرت ہستی کی حیثیت سے پیش کرنے کے بجائے انھیں ایک عالم باعمل کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے، کتاب ۳۰۴ صفحات پر مشتمل ہے جسے ادارۂ تحقیق و تصنیف کراچی نے ۱۹۶۳ء میں شایع کیا، اس ادارہ کی بنیاد تاریخ ۱۹۶۲ء میں رکھی گئی تھی، ایوب قادری اس کے بنیادی رکن اور معتمد اعزازی تھے، اس ادارہ کی طرف سے شایع ہونے والی یہ پہلی کتاب تھی۔

۳۔ مولانا محمد احسن نانوتوی: یہ کتاب ۲۸۰ صفحات پر مشتمل روہیل کھنڈ لٹریری سوسائٹی کراچی سے ۱۹۶۶ء میں شایع ہوئی۔

۴۔ ارباب فضل و کمال بریلی: ۱۹۷۰ء میں کراچی سے شایع ہوئی۔

۵۔ تبلیغی جماعت کا تاریخی جائزہ: ۱۵۲ صفحات پر مشتمل مکتبۂ معاویہ کراچی سے ۱۹۷۱ء میں شایع ہوئی۔

۶۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں: یہ کتاب قادری مرحوم کی وقیع کتابوں میں شمار کی جاتی ہے، ۱۹۷۶ء میں پاک اکیڈمی، کراچی سے شایع ہوئی۔

۷۔ غالب اور عصر غالب: یہ کتاب غالب سے متعلق نو تحقیقی مضامین کا مجموعہ ہے، مضامین کے عنوانات یہ ہیں: نواب الٰہی بخش خاں معروف کا غیر مطبوعہ کلام، غالب اور سرسید احمد خاں،

غالب اور غیاث اللغات، غالب سے معاصرین کی ادبی چھیڑ چھاڑ، غالب اور مارہرہ، غالب کے چند شاگرد،
غالب اور روہیل کھنڈ، مطائبات غالب، قطعات تاریخ انتقال مرزا غالب۔ یہ مضامین غالبیات
میں مفید اور وقیع اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں، ان مضامین سے نہ صرف یہ کہ غالبیات بلکہ کلاسکی
ادب کی تاریخ و تہذیب کے چند نئے باب بھی وا ہوتے ہیں، تعارف ڈاکٹر معین الدین عقیل نے لکھا
ہے۔ ۱۹۸۲ء میں کراچی سے شایع ہوئی،

۸۔ کاروانِ رفتہ: چھبیس ۲۶ شخصی، اور سوانحی مضامین پر مشتمل ہے، یہ مضامین مرحومین سے متعلق
ہیں، جن میں علمی و ادبی اور مذہبی شخصیات شامل ہیں، ۱۹۸۳ء میں مکتبہ اسلوب کراچی سے شایع
ہوئی، دیباچہ جناب مشفق خواجہ نے لکھا ہے،

تراجم

۱۔ تذکرۂ علمائے ہند: جناب مولانا رحمان علی صاحب کی تصنیف ہے، اس کا ترجمہ
۱۹۶۱ء میں پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی نے شایع کیا،

۲۔ مجموعۂ وصایا اربعہ: حضرت شاہ ولی اللہ کی تصنیف ہے، اس کا ترجمہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی
حیدر آباد سے ۱۹۶۴ء میں شایع ہوا،

۳۔ مآثر الامراء: صمصام الدولہ شاہ نواز خاں کی تصنیف کردہ تین جلدوں کا ترجمہ مرکزی
اردو بورڈ لاہور سے بالترتیب ۱۹۶۸ء، ۶۹ء، ۷۰ء میں شایع ہوا، یہ ترجمے قادری مرحوم
کی محنت و صلاحیت کے غماز ہیں، تقریباً تین ۳ ہزار صفحات پر مشتمل ضخیم کتاب کی طرف متوجہ ہونا اور
پھر فارسی سے اردو کا جامہ پہنانا ان ہی کا حصہ تھا،

۴۔ فرحت الناظرین: محمد اسلم انصاری پسروری کی کتاب کا ترجمہ ۱۹۷۲ء میں شایع ہوا،

۵۔ سیر العارفین: شیخ فضل اللہ جمالی کی مشہور تصنیف ہے، اس کا ترجمہ ۱۹۷۶ء
میں اشاعت پذیر ہوا،

ترتیب و حواشی حسب ذیل کتابوں کو مرتب کیا، اور ان پر حواشی لکھے:

(۱) علم و عمل (وقایع عبد القادر خانی) (۲) جلد دوم (وقایع عبد القادر خانی) (۳) تواریخ عجیب
عرف کالا پانی (محمد جعفر تھانیسری) (۴) عہد بنگش کی سیاسی علمی اور ثقافتی تاریخ (تاریخ فرخ آباد
مؤلفہ مفتی ولی اللہ فرخ آبادی) (۵) مقالات یوم عالمگیر (۶) تذکرۂ نوری (مفصل حالات
ابو الحسین نوری مارہروی) (۷) مرقع شہابی (حالات مفتی انتظام اللہ شہابی) (۸) جنگ نامہ
آصف الدولہ نواب رامپور (خلیفہ محمد معظم عباسی)

ان کاوشوں کے علاوہ بعض کتابوں میں وہ شریک مؤلف بھی رہے ہیں، اس قسم کی کتابوں
میں "خط و خطاطی"، "علی گڑھ تحریک اور قومی نظمیں" اور "نقوش سیرت" خاص اہمیت رکھتی ہیں،

ان مستقل تصنیفات و تالیفات کے علاوہ انھوں نے تقریباً ڈھائی سو سے زیادہ علمی و تحقیقی
مقالے لکھے، جو ہند و پاک کے معیاری رسائل میں شایع ہوئے، تقریباً تیس ۳۰ کتابوں پر مقدمے لکھے،
علمی و ادبی صحافت میں بھی ان کا دخل رہا، سہ ماہی "بصائر" (کراچی) کے اعزازی مدیر اور
ماہنامہ "سرحد" کے نگراں رہے، اردو کالج کراچی کے مجلہ "برگ گل" کے بھی ایک عرصہ تک نگراں
رہے، ان کی نگرانی میں اس مجلہ کے کئی اہم نمبر شایع ہوئے، سرسید نمبر، تعلیمی پالیسی نمبر، قائد اعظم نمبر،
محمد علی جوہر نمبر وغیرہ، "العلم" کراچی کا غالب نمبر بھی انھوں نے ترتیب دیا تھا، یہ تمام کاوشیں
گو ماضی کا سرمایہ ہیں، لیکن مستقبل کے لیے یہ ایک ورثہ کے طور پر محفوظ رکھی جا سکتی ہیں،

راقم الحروف کے ان سے بڑے تعلقات تھے، اکثر خط و کتابت رہتی تھی، خطوط میں اپنی
سرگرمیوں پر بھی کبھی کبھی روشنی ڈال دیتے تھے، چنانچہ ۸۱ء میں انھوں نے مجھے لکھا،

"مغلیہ عہد کے ایک مورخ نظام الدین احمد بخشی کی ضخیم تاریخ "طبقات اکبری"
سے عنقریب فارغ ہوا ہوں، مرکزی اردو بورڈ لاہور اسے شایع کرے گا۔"

ایک اور خط میں تحریر کیا تھا کہ "غزنوی عہد کے ایک عربی نژاد قبیلہ "بجلیم" پر ایک کتاب چل رہی ہے۔" خدا کرے کہ یہ کتابیں بھی جلد شایع ہوں،

قادری مرحوم نے اپنے پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ غالباً اشاعت کے لیے زندگی ہی میں کسی پبلشر کے سپرد کر دیا ہوگا، اس کا موضوع "اردو نثر کے ارتقا میں علما کا حصّہ (شمالی ہند میں ۱۸۵۷ء تک)" تھا، اس کے متعلق انہوں نے اپنے ایک اخباری انٹرویو میں بتایا کہ اردو نثر کی عام تاریخ فورٹ ولیم کالج سے شروع ہوتی ہے، پھر اس کے بعد خطوط غالب کا ذکر آتا ہے، جن کا آغاز ۱۸۵۰ء میں ہوا[1]، اس کے بعد ۱۸۵۷ء میں نثر کا سلسلہ شروع ہوا، جس کو سر سید احمد خاں نے تقویت بخشی۔ فورٹ ولیم کالج اور غالب کے درمیانی دور میں اردو نثر پر کافی کام ہوا، اس دور میں دینی اور دنیوی تعلیم کی حدود آج کی طرح علٰحدہ نہیں تھیں، اس لیے علماء نے اس میدان میں خاصا کام کیا، اور علماء کی تصانیف نے اردو نثر کے دامن کو خاصا مالامال کیا، مگر سوئے اتفاق کہ ادبی مورخین نے علماء کے کام کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی، وہ جیساکہ میں نے عرض کیا ہے فورٹ ولیم کالج سے ابتدا کرتے ہیں، اور پھر غالب سے جست لگا کر سر سید احمد خاں پر پہنچ جاتے ہیں، اور یوں اردو نثر کی عمارت کی تاریخ اس مثلث پر قائم ہے، اسی بنا پر مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ علماء کی نثری تصانیف کا اس اعتبار سے جائزہ لینا چاہیے، چنانچہ میں نے اس موضوع پر مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ علماء نے اردو نثر کے میدان میں انتہائی دقیق کارنامے سرانجام دیئے ہیں، اور میرے خیال کے برعکس یہ میدان بہت وسیع معلوم ہوا، حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کے خلیفہ شیخ مراد علی سنبھلی کی تصنیف (تفسیر مرادیہ ۱۷۷۱ء کی تالیف ہے) اور وہ اردو نثر کا سہل اور سلیس نمونہ ہے،

---

[1] ۱۸۵۰ء غالباً سہو کاتب ہے، کیونکہ یہ بات محقق ہو چکی ہے کہ غالب کی خطوط نگاری کا آغاز ۱۸۴۷ء سے ہوتا ہے، اور قادری مرحوم اس سے ناواقف نہ ہوں گے، واللہ اعلم۔ شمس بدایونی،

مقالے میں اکیاسی (۸۱) علماء کی ایک سو باون (۱۵۲) تصانیف میری تحقیق کا موضوع رہی ہیں، جن میں سے پچاس (۵۰) خطی کتابیں، بقیہ مطبوعہ کتابیں (جو گرچہ نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں) ہیں،

یہ مقالہ آٹھ ابواب پر مشتمل ہے، اس کا پہلا باب شاہ ولی اللہ دہلوی کے صاحبزادگان اور ان کے ہمعصر علماء کی تصانیف سے متعلق ہے، اس باب میں آٹھ علماء کی گیارہ تصانیف ہیں، ان میں شاہ عبدالقادرؒ، شاہ رفیع الدینؒ اور حکیم شریف خاں کا نام تو ادبی تاریخ میں مل جاتا ہے، باقی حضرات کے نام اور ان کی تصانیف انکشاف کی حیثیت رکھتی ہیں،

دوسرے اور تیسرے باب میں سید احمد شہیدؒ اور ان کے رفقاء کے نثری کارناموں کا جائزہ لیا گیا ہے، سید احمد شہیدؒ کو ہم نے اردو نثر کے مصنف کی حیثیت سے متعارف کرایا ہے، سید صاحب کے رفقاء میں مولوی سید عبداللہ بن بہادر علی حسینی کی علمی سرگرمیوں کا خاص طور سے تعارف کرایا ہے، کہ انھوں نے کلکتہ میں مطبع احمدی قائم کر کے اردو زبان کی نشر و اشاعت کا بڑا کام کیا،

ان دونوں ابواب میں چودہ (۱۴) علماء کی سینتالیس (۴۷) تصانیف پر اظہار خیال ہے، ان میں تقویۃ الایمان اور تنبیہ الغافلین کا تو ادبی تاریخوں میں ذکر ملتا ہے، باقی مصنفین اور کتابیں ایک نوع سے پہلی مرتبہ متعارف ہوئی ہیں،

چوتھا باب شاہ اسحٰق دہلوی کے تلامذہ اور رفقاء کی تصنیفات پر مشتمل ہے، اس میں تیرہ (۱۳) علماء کی پچیس (۲۵) کتابوں پر بحث کی گئی ہے، ان میں مفتی صدر الدین آزردہ، نواب قطب الدین خاں، مفتی عنایت احمد، شاہ احمد سعید، مولوی محمد شاہ اور قاری عبدالرحمٰن جیسے علماء، حکیم نصر اللہ خاں وصالؔ، ظہور علی ظہور جیسے شاعر اور مولوی شیخ عبداللہ جیسے مبلغ شامل ہیں،

پانچواں اور چھٹا باب علمائے روہیلکھنڈ کی تصنیفات کے جائزہ پر مشتمل ہے، ان دونوں ابواب میں پچیس (۲۵) علماء کی چالیس (۴۰) تصانیف کا جائزہ لیا گیا ہے، اس جائزہ میں سید شاہ حقانی کی

"تفسیر حقانی" ۱۷۹۲ء کی تالیف ہے، اسی طرح مولوی شاہ عبد المجید بدایونی نے ۱۸۱۶ء میں "سیرت رسول" پر ایک کتاب "محافل الانوار" اردو نثر میں سب سے پہلے لکھی،

ساتواں باب علمائے اودھ کی علمی کاوشوں پر مشتمل ہے، ان میں تیرہ علماء کی سترہ تصانیف کو موضوع بحث بنایا گیا ہے،

آٹھویں اور آخری باب میں بنگال اور بہار کے علماء کی کتابوں کو متعارف کرایا گیا ہے، اس باب میں چھ علماء کی گیارہ تصانیف پر اظہار خیال کیا گیا ہے،

حیاتِ شبلی

یہ کتاب محض علامہ شبلی مرحوم کی سادہ سوانح عمری ہی نہیں ہے، بلکہ ان کی وفات ۱۹۱۴ء تک ہندوستان کی مذہبی، علمی، تعلیمی اور اصلاحی اور ان کے دور کی اور بہت سی تحریکوں اور سرگرمیوں کی مفصل تاریخ ہے، شروع میں جدید علم کلام کی نوعیت، اہمیت اور اس سے متعلق علامہ شبلی مرحوم کی علمی خدمات پر تبصرہ ہے، اس کے بعد مقدمہ ہے جس میں ہندوستان کے خلجی و تغلق سلاطین کے عہد سے لے کر انگریزی حکومت کے آغاز تک صوبۂ آگرہ و اودھ خصوصاً اسکے شمالی اضلاع بنارس، غازیپور، جونپور اور اعظم گڈھ کے مسلمانوں کی علمی و تعلیمی تاریخ کے ساتھ ہر دور کے ارباب فضل و کمال اور اصحاب درس و تدریس مثلاً ملا محمد افضل جونپوری، دیوان عبد الرشید، ملا محمود جونپوری صاحب شمس بازغہ، مولانا کرامت علی حنفی، مولانا محمد فصیح غازیپوری، مولانا سخاوت علی جونپوری، اور ان کے مشہور تلامذہ وغیرہ کے حالات و سوانح اور ان کے علمی کارنامے بڑی تلاش و جستجو اور تذکرہ و تاریخ کی کتابوں کے ہزاروں صفحات کے مطالعہ کے بعد مرتب کیے گئے ہیں، جس کی ضخامت مع مقدمہ، دیباچہ اور مراثی اور قطعات تاریخ کے (۸۵۰) صفحے ہیں،

مؤلفہ: مولانا سید سلیمان ندویؒ، قیمت: ۴۸ روپیہ۔ "منیجر"

حضرت سلمان فارسیؓ کی عمر

از

جناب مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ طبقۂ صحابہ میں ممتاز عباد و زہاد میں سے تھے، ان کے بڑے مناقب و فضائل ہیں، فارس کے مقام اصفہان یا رام ہرمز یا جے کے رہنے والے تھے، صحیح دین کی تلاش و طلب میں مدتوں سرگرداں رہے، مختلف دیار و امصار کا چکر کاٹا، متعدد بار غلام بنائے گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے پر مسلمان ہو گئے، غلامی کی وجہ سے ابتدائی غزوات میں شریک نہ ہو سکے، حتی کہ ۵ھ میں پہلی بار غزوۂ خندق میں شریک ہوئے، اس کے بعد عہد رسالت کے تمام غزوات میں حصہ لیتے رہے، عہد فاروقی میں عراق و مدائن وغیرہ کی فتوحات میں بھی برابر شریک رہے، آخر میں مدائن کے قاضی اور والی بنائے گئے، اور اسی دور میں وہیں ۳۶ھ کے آخر یا ۳۷ھ کی ابتداء میں انتقال کیا، بعض مورخین نے ان کی وفات ۳۳ھ یا ۳۴ھ یا ۳۵ھ میں بتائی ہے،

حضرت سلمانؓ کا شمار معمرین صحابہ میں ہوتا ہے یعنی وہ طویل العمر صحابہ میں سے ہیں، عام طور سے مورخین و محدثین کے یہاں سو، سوا سو، اور ڈیڑھ سو سال تک کے عمر دراز لوگوں پر "معمر" کا اطلاق ہوتا ہے، بعد میں ایک بزرگ نے بغیر کسی مستند حوالہ کے بتایا کہ اہل علم کہتے ہیں کہ حضرت سلمانؓ ساڑھے تین سو سال تک زندہ رہے، اور ان کے ڈھائی سو سال تک زندہ رہنے میں تو شک ہی نہیں ہے، ان کے بعد آنے والے تقریباً تمام مورخوں اور تذکرہ نگاروں نے حضرت سلمانؓ کے ذکر میں اس قول کو بلا نقد و نظر کے نقل کر دیا، حتی کہ آٹھویں صدی میں امام ذہبیؒ نے حضرت سلمانؓ کی عمر تحقیق کر کے صرف اسّی سال بتائی، اور نویں صدی میں حافظ ابن حجرؒ نے امام ذہبی کے اس قول کو بلا سند کہہ کر ساڑھے تین سو، یا ڈھائی سو سال والے قول کی صحت کا امکان

خرقِ عادت اور کرامت کے طور پر ظاہر کیا،

ذیل میں مذکورہ بالا باتوں کو ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں، اور آخر میں اپنی رائے پیش کریں گے، اہل علم سے اس بارے میں مزید تحقیق کی گذارش ہے

ابن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے حضرت سلمان فارسیؓ کی وفات عہد عثمانی میں مدائن میں بتائی ہے، اور ان کی عمر کے بارے میں کچھ نہیں لکھا ہے[1]

خلیفہ بن خیاط متوفی ۲۴۰ھ نے ان کی وفات ۳۶ھ میں لکھی ہے، عمر کے متعلق کوئی بات نہیں لکھی ہے[2]، امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے نہ سنہ وفات بتایا ہے اور نہ ہی عمر کے بارے میں کچھ لکھا ہے[3]

ابن قتیبہ متوفی ۲۷۶ھ پہلے مورخ ہیں، جنھوں نے حضرت سلمانؓ کو طویل العمر بتایا ہے، اور واضح طور سے ان کی درازیٔ عمر کا ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں،

حضرت سلمانؓ نے طویل عمر پائی اور خلافت عثمانی کی ابتدا میں فوت ہوئے، اور بعض روایتوں میں ہے کہ خلافت فاروقی میں فوت ہوئے[4]

ہمارے علم میں علامہ ابن قتیبہؒ پہلے مورخ اور تذکرہ نگار ہیں، جنھوں نے حضرت سلمانؓ کو طویل العمر بتایا ہے، ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ نے امام بخاریؒ کی طرح ان کے سنہ وفات اور عمر کے متعلق خاموشی اختیار کی ہے[5]، ابن عبد البر اندلسی متوفی ۴۶۳ھ نے حضرت سلمانؓ کی عمر کے سلسلے میں کچھ نہیں لکھا ہے[6]،

مذکورہ بالا ان تمام قدیم و ثقہ محدثین اور مستند مورخین میں سے کسی نے حضرت سلمانؓ کی درازیٔ عمر کے متعلق کچھ نہیں لکھا ہے، حالانکہ ان کی وفات کے اختلاف سنین کو مفصل بیان کیا ہے، البتہ ان میں ابن قتیبہ نے ان کی طولانی عمر کی پہلی بار تصریح کی ہے، مگر اس کی مدت بیان نہیں کی ہے،

۱؎ طبقات ابن سعد ج ۴، ص ۳۱۹ بیروت، ۲؎ تاریخ خلیفہ ج ۱ ص ۲۱۴، ۳؎ تاریخ کبیر ج ۲ قسم ۲ ص ۱۳۶ ۴؎ المعارف ص ۱۱۱، ۵؎ الجرح والتعدیل ج ۲ قسم ۱ ص ۲۹۶، ۶؎ الاستیعاب ج ۲ ص ۵۷۳،

بعد کے مورخوں اور تذکرہ نویسوں میں خطیب بغدادی پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے حضرت سلمانؓ کی عمر کے بارے میں ایک قول نقل کیا ہے، مگر اس پر کوئی نقد و نظر نہیں کی بلکہ اس کے آخر میں "وکان من المعمرین"، کہہ کر گویا اس قول کی تضعیف کر دی، جیسا کہ ان کے شیخ حافظ ابو نعیم اصفہانی کا یہی قول ہے، ہم یہاں خطیب بغدادی کا پورا بیان پیش کرتے ہیں

"جعفر بن احمد بن فارس کا بیان ہے کہ میں نے عباس بن یزید کو محمد بن نعمان سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اہل علم کہتے ہیں کہ حضرت سلمانؓ ساڑھے تین سو سال تک زندہ رہے، اور ڈھائی سو سال میں شک ہی نہیں کرتے ہیں، وہ معمرین میں سے تھے، کہا گیا ہے کہ انھوں نے حضرت عیسیٰؑ کے وصی کا زمانہ پایا تھا، اور وہ اگلے پچھلے ادیان کے عالم تھے اور انھوں نے دونوں کتابیں (انجیل اور قرآن) پڑھی تھیں[1]"

عباس بن یزید کون بزرگ ہیں؟ یقینی طور پر معلوم نہ ہو سکا، خطیب بغدادی نے حافظ ابو الفضل عباس بن یزید بن ابو حبیب بحرانی متوفی ۲۵۸ھ کا ذکر کیا ہے، جو عباسویہ کے لقب سے مشہور ہیں، اور یحییٰ بن سعید القطان اور ابن عُیینہ وغیرہ کے شاگرد ہیں، یہ صاحب تصانیف کثیرہ محدث ہیں، ان کے بارے میں دارقطنی کا قول ہے کہ تکلموا فیہ (محدثین نے ان کی ثقاہت میں کلام کیا ہے) ان ہی کا دوسرا قول ہے، وہ ثقہ امین ہیں، انھوں نے اصفہان، بغداد، ہمدان اور سامرا میں حدیث کا درس دیا ہے، حافظ محمد بن اسحاق موسیٰ اصفہانی کا بیان ہے کہ میں طلب حدیث کے لئے بصرہ گیا تو وہاں کے محدثین نے کہا کہ تم یہاں کس لئے آئے ہو؟ میں نے کہا طلب حدیث کے لئے، انھوں نے کہا تمھارے یہاں (اصفہان میں) عباس بن یزید بحرانی ہیں؟ میں نے کہا ہاں، اس پر انھوں نے کہا کہ تب تم ہمارے یہاں رہ کر کیا کرو گے؟[2] ہو سکتا ہے کہ یہی عباس بن یزید ہوں جن کا یہ قول حضرت

۱؎ تاریخ بغداد ج ۱ ص ۱۶۴، ۲؎ تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۱۴۲

سلمانؓ کی عمر کے بارے میں ہے، اور جیسا کہ اصابہ میں ہے ابوالشیخ نے بھی اپنی کتاب طبقات الاصفہانیین میں یہ قول نقل کیا ہے[۱]، بلکہ آنے والے تقریباً سب ہی تذکرہ نویسوں نے اس قول کو بلا ردّ و قدح نقل کیا ہے۔

چنانچہ ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ نے صفۃ الصفوۃ میں لکھا ہے:-

"علمائے سیر نے کہا ہے کہ حضرت سلمانؓ معمرین میں سے تھے، حضرت عیسیٰؑ کے وصی کا زمانہ پایا تھا، اور ڈھائی سو سال تک زندہ رہے، اور کہا گیا ہے کہ اس سے زیادہ مدت تک زندہ رہے[۲]"

ابن اثیر جزری متوفی ۶۳۰ھ نے قال العباس بن یزید: قال اھل العلم کہکر یہی قول نقل کیا ہے، اور اس کے بعد معاً ابونعیم کا قول بھی نقل کیا ہے کہ حضرت سلمانؓ معمرین میں سے تھے اسی کے ساتھ یقال کہکر لکھا ہے کہ انھوں نے خود حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا زمانہ پایا ہے، جب کہ خطیب اور ابن جوزی نے وصی عیسیٰ کا نام لیا ہے[۳]۔

حافظ ابن حجر متوفی ۸۵۲ھ نے تہذیب التہذیب میں ابوالشیخ کے حوالہ سے عباس بن یزید کا صرف قول نقل کر دیا ہے، اور اس کے بارے میں اپنی رائے ظاہر نہیں کی ہے[۴]۔ مگر اصابہ میں کرامۃً اس کو ممکن بتایا ہے پہلے انھوں نے امام ذہبی متوفی ۷۴۸ھ کی یہ تحقیق پیش کی ہے،

"ذہبی نے کہا ہے کہ میں نے حضرت سلمانؓ کے سن کے متعلق تمام اقوال دیکھے ہیں، ان سب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی عمر ڈھائی سو سال سے متجاوز تھی، اور اختلاف اس سے زاید میں ہے، پھر تحقیق کے بعد میں نے اس سے رجوع کیا اور مجھے معلوم ہوا کہ ان کی عمر اسی سال سے زیادہ نہیں تھی"،

پھر معاً اس قول پر اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے:-

---

۱ الاصابہ ج ۳ ص ۱۱۳، ۲ صفۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۲۲۴، ۳ اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۳۲ طہران، ۴ تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۳۸،

"میں کہتا ہوں کہ ذہبی نے اپنے اس قول کی بنیاد اور سند نہیں بیان کی ہے، میرا خیال ہے کہ اس قول کی وجہ حضرت سلمانؓ کی وصال نبوی کے بعد فتوحات میں شرکت اور قبیلہ کندہ کی ایک عورت سے شادی وغیرہ ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ میں ان کی زندگی میں نشاط اور تاب و تواں کی کچھ قدریں باقی تھیں، لیکن اگر ان کی درازیٔ عمر کا قول ثابت ہو جائے تو یہ ان کے حق میں کرامت ہوگی، اور اس کے ثبوت سے کوئی چیز مانع نہیں ہے کیونکہ ابوالشیخ نے "طبقات الاصبہانیین" میں عباس بن یزید سے روایت کی ہے کہ اہل علم کہتے ہیں کہ حضرت سلمانؓ ساڑھے تین سو سال تک زندہ رہے اور ڈھائی سو سال میں تو شک ہی نہیں کرتے ہیں[۱]"

مذکورہ بالا مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تیسری صدی تک حضرت سلمان فارسیؓ کی درازیٔ عمر کے متعلق کوئی روایت نہیں ملتی ہے، ابن سعد، خلیفہ بن خیاط، امام بخاری، ابن ابی حاتم رازی، ابن عبدالبر اندلسی رحمہم اللہ نے ان کے حالات میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے، البتہ ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ حضرت سلمانؓ کو طویل عمر دی گئی تھی، ان تمام ائمۂ حدیث و تاریخ اور علمائے اخبار و سیر کے مقابلہ میں خطیب بغدادی نے ایک عالم کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت سلمانؓ ساڑھے تین سو سال تک زندہ رہے اور ڈھائی سو سال میں تو شک ہی نہیں ہے خطیب کے بعد عام مورخوں اور تذکرہ نویسوں نے اپنی کتابوں میں اس قول کو نقل کر کے خاموشی اختیار کی، اکثر نے اسی کے ساتھ "وکان سلمان من المعمرین" لکھ دیا، اور مذکورہ روایت پر نقد و نظر کے لئے اتنا ہی کافی سمجھا، ان میں صرف امام ذہبیؒ نے اس بارے میں تحقیق و تلاش سے کام لیا اور ان کی عمر صرف اسی سال بتائی ساڑھے تین سو سال یا ڈھائی سو سال والی روایت بوجوہ قابل نظر ہے، تین چار صدی گذرنے کے بعد ایک عالم و محدث نے اپنے ایک دوست یا تلمیذ سے یہ بات کہی جسے ایک راوی نے سنا اور اس کی روایت کی، عباس بن یزید، احمد بن نعمان اور جعفر بن احمد بن فارس کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ محدثین میں

---

۱ الاصابہ ج ۳ ص ۱۱۳،

ان کا کیا مقام و مرتبہ ہے؟ اور سب سے بڑھ کر اس قول کی سند قال اھل العلم، یا اھل العلم یقولون (اہل علم نے کہا ہے، یا اہل علم کہتے ہیں) بالکل مجہول و غیر مستند ہے، اتنی بڑی اور اہم بات کہنے والے اہل علم کے نام، حالات اور مبلغ علم کا معلوم ہونا ضروری ہے، اس بارے میں داستان گوئی کا انداز غیر معتبر ہے، پھر اس قول کا انداز بھی غیر ذمہ دارانہ قسم کا معلوم ہوتا ہے، جیسے ان "اہل علم" کو اپنے قول پر خود اعتماد نہیں ہے، اور ساڑھے تین سو سال کہہ کر فوراً ہی گھٹا کر ڈھائی سو کر دیا اور اس کو شک و شبہ سے بالاتر بتایا، حالانکہ کھلے طور سے ڈھائی سو سال میں کمی زیادتی کا احتمال ہے، کیونکہ حضرت سلمانؓ کی وفات ۳۲ھ، ۳۳ھ، ۳۵ھ، ۳۶ھ، ۳۷ھ میں سے کسی ایک میں بتائی گئی ہے،

ذہبیؒ نے "تجرید اسمار الصحابہ" میں حضرت سلمانؓ کا صرف نام لیا ہے، نہ ان کا سنہ وفات لکھا ہے اور نہ ہی عمر کے متعلق کچھ لکھا ہے، مگر جیسا کہ ابن حجر نے اصابہ میں لکھا ہے[1]، انھوں نے اپنی تحقیق سے حضرت سلمانؓ کی عمر صرف اسّی سال بتائی ہے، اور حافظ ابن حجر نے اسی سے اختلاف کرتے ہوئے اسے بے سند بتایا ہے، حالانکہ اس کی سند میں وہی باتیں پیش کی جا سکتی ہیں، جن کو ابن حجر نے اپنے خیال کے مطابق نقل کیا ہے، کیونکہ ڈھائی سو سال کی عمر میں فتوحات میں شرکت اور نکاح کوئی معنی نہیں رکھتا ہے، وصال نبویؐ کے بعد ان میں اتنی طاقت و توانائی تھی کہ وہ ان کاموں سے بخوبی عہدہ برآ ہوتے تھے، ہمارے خیال میں ذہبیؒ کے یہ دلائل عباس بن یزید کی دلیل، "قال اہل العلم" سے زیادہ قوی ہیں، جس کو حافظ ابن حجرؒ نے کراتہ زیادتی عمر کے سلسلہ میں پیش کیا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ امام ذہبیؒ کا قول اس سلسلہ میں قول فیصل ہے، بلکہ اس سے بھی اختلاف کی گنجائش ہے، مدت عمر کی تعیین کے بغیر حضرت سلمانؓ کو معمرین میں شمار کرنا احوط ہے، جس کا اطلاق سو سال یا اس سے زائد والے لوگوں پر ہوتا ہے، صاحب مشکوٰۃ نے اکمال میں وکان من المعمرین لکھ کر قیل کے بعد ڈھائی سو سال اور ساڑھے تین سو سال لکھا ہے، اور اول الذکر کو بلا دلیل اصح بتایا ہے،

---

[1] تجرید اسماء الصحابہ ج ۱، ص ۲۳۰

مدارسِ عربیہ کا نصابِ تعلیم

از

جناب شیخ نذیر حسین، مدیر اردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

معارف (مارچ ۱۹۸۴ء) میں دار العلوم ندوۃ العلماء کے زیر اہتمام مدارس عربیہ کے نصاب تعلیم پر ایک مذاکرے کی کارروائی پڑھنے کا اتفاق ہوا، چونکہ مجھے بھی درس نظامی کی بعض چھوٹی اور بڑی کتابیں پڑھنے کی سعادت حاصل ہے، اس لئے میری گذارشات بھی پیش خدمت ہیں،

جہاں تک تبدیلی نصاب کا تعلق ہے، میری ناقص رائے میں قرآن مجید اور صحاح ستہ کا متن تا قیامت شامل نصاب رہے گا، ان کو مستثنیٰ کرکے باقی سب مضامین اور کتابوں میں تبدیلی کی گنجائش ہے، ان کے علاوہ فقہ میں ہدایہ نہایت جامع اور مفید ہے اور صدیوں سے دینی مدارس کے نصاب کا جزو اعظم بنی ہوئی ہے، ادب کی تعلیم کے لئے دیوان الحماسہ ضروری ہے، قرآن مجید کے ادبی اور اعجازی محاسن کی تفہیم و تعلیم کے لئے دلائل الاعجاز (عبد القاہر الجرجانی) بے نظیر ہے جو کہ کرد علی شامی کے الفاظ میں صحیفۃ من ادب العالی (ادبی شاہکار) ہے، اسی طرح اسرار شریعت میں شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغۃ لاثانی ہے، موخر الذکر دونوں کتابیں ندوہ کے نصاب تعلیم کی مابہ الامتیاز کتابیں ہیں، لہٰذا ان کو بھی نصاب میں شامل رہنا چاہیے،

درس نظامی میں غیر اہم اور نا قابل لحاظ مضمون علم التفسیر رہا ہے، جس میں صرف دو کتابیں جلالین اور بیضاوی شامل نصاب ہیں، جلالین کے الفاظ قرآن مجید کے الفاظ کے برابر ہیں، جبکہ تفسیر بیضاوی کے ڈھائی پارے پڑھائے جاتے ہیں، ہمارے ہاں (پاکستان) تو جلالین کے بعد بیضاوی کا صرف ایک

پارہ تبرک کے طور پر پڑھا دیا جاتا ہے اور بس، حالانکہ مغلیہ دور کے اوائل تک تفسیر میں مدارک التنزیل اور کشاف پڑھائی جاتی تھیں،

حدیث کی تعلیم جماعتی مسالک کے تحت دی جاتی ہے، اور وہ بھی سرسری، درس حدیث میں مختلف فیہ فقہی مسائل (آمین، رفع یدین اور رکعت تراویح و تہجد کی تعداد کی تعیین) میں کئی کئی دن بحث جاری رہتی ہے، جبکہ اخلاقی مباحث کا سرسری ذکر ہوتا ہے، اس کے علاوہ میری تجویز ہے کہ حدیث کی جو بھی کتاب پڑھائی جائے وہ کامل اور پوری پڑھائی جائے ممالک عربیہ کی طرح مختلف کتب حدیث سے مختلف ابواب منتخب کرکے ان کی تعلیم نہ دی جائے، حدیث کے بلاغی پہلوؤں پر شاید ہی کسی کی نظر جاتی ہو حالانکہ خود عرب ادباء نے عربی زبان کی تعلیم و تدریس کے لئے حدیث کے مطالعہ کو ضروری قرار دیا ہے، مشہور ادیب اور ناقد ادب ضیاء الدین ابن الاثیر نے المثل السائر میں لکھا ہے کہ اس نے صرف ملکہ انشاء حاصل کرنے کے لئے صحاح ستہ کا دس برس تک لگاتار مطالعہ کیا ہے، کرد علی شامی نے مذکرات میں اپنی انشاء پردازی کے ضمن میں لکھا ہے کہ اس نے ادب آموزی کے لئے صحیحین (بخاری و مسلم) کا بارہا مطالعہ کیا ہے،

اگر قدیم فلسفہ کی ایک آدھ معیاری کتاب (مثلاً امام غزالی کی مقاصد الفلاسفہ) شامل نصاب ہے تو مضائقہ نہ ہوگا۔

عربی صرف و نحو کی تعلیم میں بڑا وقت برباد ہوتا ہے۔ اب عربی قواعد سیکھنے کے لئے فارسی کتب (صرف میر، نحو میر، فصول اکبری یعنی علم الصیغہ) نامناسب ہیں، آج سے چونسٹھ برس پیشتر مولوی عبدالعزیز میمن مرحوم نے آداب العربیہ کے عنوان سے ایک دلچسپ مضمون مخزن (لاہور) میں لکھا تھا، کتب نحو کے بارے میں ان کے دلچسپ تاثرات ملاحظہ ہوں:-

مجھے اپنے ملک کے نصاب تعلیم پر بھی کچھ کہنا ہے، سو یہیں کہے دیتا ہوں، بلاد عرب میں صرف و نحو کی تعلیم کے لئے بالتدریج یہ کتابیں مقرر ہیں۔- اجرومیہ، لامیۃ الافعال، ابن عقیل شرح الفیہ، قطر الندیٰ یا شذور الذہب، اور اگر کسی کو خاص شوق ہو تو التوضیح لابن

ہشام و مغنی اللبیب، سبحان اللہ! کیا خوب اور سادہ کتابیں ہیں، صاف الفاظ میں قواعد سمجھا کر مثالوں میں ان کو رواں کر دیتی ہیں، جو نحو کا اصل مقصد تھا۔ مگر ہمارے یہاں تو جوانا موئی کی موشگافیاں، بسم اللہ کی غیر متناہی تراکیب، کافیہ کے جملہ "الکلمۃُ لفظٌ وُضع لمعنیً مفردٍ" میں مفرد کے صُور سہ گانہ، مسئلہ الکحل، مسئلہ الحسنُ الوجہُ پھر شرح جامی کا مسئلہ حاصل و محصول جو در حقیقت علم نحو ہی سے کچھ سروکار نہیں رکھتا، اعتراضات حقہ رضی بر کافیہ، جوابات باردہ مولوی جامی، یہ سب نحو کے اعضائے رئیسہ قرار دیئے گئے ہیں، جن سے اصل نحو کچھ ایسی غائب ہو گئی کہ سات آٹھ سال تک بھی طالب علم کو اس کا سراغ نہیں ملتا، پھر اب ایساغوجی سے قاضی مبارک اور صدرا و شمس بازغہ تک تقریباً ان تیس درسی کتابوں کا ذکر کیجئے جو قریباً عمر گرانمایہ کے چھ سات سال لیتی ہیں اور طالب علم کو اس قابل بنا دیتی ہیں، کہ کسی کا کہنا نہ مانے، اور ہر بات میں بال کی کھال نکالنے کی کوشش کرے اور اپنی زندگی کا حاصل اور مساعی غیر مشکور کا محصول انہی چند اعتراضوں یا جوابوں کو گردانے جو اس نے اپنے استاذ یا کتاب کے برخلاف نہایت دقت آفرینی و دماغ سوزی سے تیار کئے ہیں۔"

(مخزن جولائی ۱۹۲۰ء)

مولانا میمن مرحوم و مغفور نے یہ تاثرات آج سے چونسٹھ[۶۴] برس قبل لکھے تھے، میرا آج بھی یہ تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ ہمارے یہاں کے نوے فی صد فارغ التحصیل طلبہ عربی کی عبارت کو صحت اعراب کے ساتھ نہیں پڑھ سکتے، ایک طالب علم متنبی کا دیوان پڑھ لیتا ہے، لیکن اُس کو پتا نہیں چلتا کہ متنبی کون تھا، اور اُس کا کیا نام تھا، اُس کے کلام پر نقد و تبصرہ تو اونچی بات ہے،

دار العلوم ندوۃ العلماء نے عربی ریڈریں لکھوا کر قابل تحسین کارنامہ انجام دیا ہے، ان میں مولانا محمد رابع ندوی کی منثورات ثانوی درجات میں عربی ادب کی تعلیم کے لئے نہایت مفید ہے۔ اگر اس کتاب میں چند صفحات عربی

اشعار (دیوان ابوالعتاہیہ، دیوان امام شافعی اور کتاب الادب (حماسہ) سے انتخاب) کے بھی شامل کر دیئے جائیں تو یہ کتاب جامع اور مفید تر ثابت ہو سکتی ہے۔

اس زمانے میں عربی میں تقریر و تحریر کی اہلیت اور ضرورت واضح ہے، لیکن ہماری غرض مقصود تفسیر، حدیث اور فقہ میں معرفت اور مہارت ہونی چاہئے، یہی وجہ ہے کہ ہم نے بیروت کے عیسائی ائمہ لغت و ادب (ابراہیم یازجی، لوئیس شیخو اور لوئیس معلوف اور میخائیل نُعیم کو کبھی اہمیت نہیں دی، ہمارے یہاں تو مفتی محمد عبدہ، سید محمد رشید رضا، قاضی احمد محمد شاکر، اور دوسرے علماء ہی مقبول و محترم رہے ہیں، عربی کا دامن قیام قیامت تک اسلام سے بندھا رہے گا، سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ بڑے طلبہ کو عربی اخبارات و رسائل میں ضرورت سے زیادہ انہماک کے بجائے علوم اسلامیہ کی امہات کتب، یعنی حقیقی مصادر و مآخذ سے متعارف کرایا جائے اور ان میں علمی تحقیق کا شوق پیدا کیا جائے،

سائنسی معلومات کی ضرورت جتنی آج ہے، اس سے بیشتر کبھی نہ تھی، اس لئے طلبہ کو Every day Science سے بھی واقف کرانا ضروری ہے، یعنی وہ سائنسی معلومات جن کی روزمرہ کی زندگی میں ضرورت پڑتی ہے۔

عربی کی اعلیٰ تعلیم صرف اُن طلبہ کو دی جائے جو اس کے اہل و قابل ہوں، عام طلبہ کو قرآن مجید کا ترجمہ، مشکوٰۃ اور ایک دو فقہی کتابیں پڑھا کر فارغ کر دیا جائے، مہنگائی کے اس دور میں بدشوق اور کند ذہن طلبہ کی بھیڑ لگانی بے سود ہے، کتابی تعلیم دینے کے علاوہ طلبہ کو تہذیب نفس کی تعلیم دی جائے انھیں سادہ زندگی، قناعت، سیرچشمی اور محنت و مشقت کا عادی بنایا جائے اور انھیں سیاسی جلسوں اور جلوسوں میں شرکت سے روکا جائے، آخر میں ایک اور ضروری بات عرض کرنا چاہتا ہوں، یعنی ہر مہینے میں ایک دو بار بڑے طالب علموں کو مدرسے کے گرد و نواح کے مواضعات اور قصبات میں بھیجا جائے تاکہ وہ اپنے بے علم مسلمان بھائیوں کو موٹے موٹے فقہی مسائل سے واقف کرائیں،

وفیات

آہ! مولانا ابوالجلال ندوی مرحوم

کراچی سے یہ دکھ بھری خبر ملی کہ مولانا ابوالجلال ندوی، گزشتہ مہینہ ۱۰ر محرم ۱۴۰۵ھ کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی آغوش رحمت کے سپرد ہو گئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، وہ دارالمصنفین کے علمی خدمت گزاروں میں تھے، ان کا آبائی وطن تو اعظم گڈھ ہی کا ایک گاؤں محی الدین پور تھا، تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلماء میں پائی، وہاں کے بڑے لائق اور ذی استعداد طلبہ میں شمار ہوتے تھے، ان کی طرف حضرت استاذی المحترم مولانا سید سلیمان ندویؒ کی نظر اٹھی تو ان کو دارالمصنفین میں رفیق کی حیثیت سے بلا لیا، اور وہ یہاں ۱۹۲۳ء سے ۱۹۳۰ء تک رہے، انھوں نے یہاں رہ کر ہر قسم کے علوم و فنون میں بڑی گہری نظر پیدا کی، قرآن مجید، تفسیر، حدیث، رجال، فقہ، تاریخ اور ادب کے علاوہ وید، گیتا، اپنشد اور اس قسم کی ہندوؤں کی مذہبی کتابوں پر بھی ان کو بڑی دسترس حاصل تھی، وہ شاعر بھی تھے، اور کبھی کبھی شعر بھی کہہ لیا کرتے تھے، دارالمصنفین کے قیام میں معارف کے لئے حسب ذیل مضامین لکھے، عربی زبان کا فلسفہ لغت (ستمبر ۱۹۲۳ء) سر اکبر اپنشد، دارا شکوہ کا ترجمہ (دسمبر ۱۹۲۴ء، جنوری ۱۹۲۵ء) اسلامی شمسی قمری سال (نومبر ۱۹۲۵ء) دروزیوں کا مذہب (اپریل ۱۹۲۶ء) مستدرک حاکم کا مطبوعہ نسخہ (جولائی اگست ۱۹۲۶ء) ان کو علم اشتقاق پر کتاب لکھنے کے لئے کہا گیا تھا، لیکن اس کو وہ پورا نہ کر سکے، ان کی طبیعت میں بڑا انتشار تھا، اسی لئے ان کا علم و فضل بھی منتشر رہا، جن کو وہ اس طرح سمیٹ نہ سکے، جیسا کہ ان کو کرنا چاہئے تھا، وہ دارالمصنفین سے مدراس چلے گئے، جہاں جمالیہ کالج کے لائق مدرس شمار کئے جاتے تھے، وہاں بھی ان کا بہت دنوں تک قیام نہیں رہا، پھر ایک ہفتہ وار اخبار نکالا، اس کے ایڈیٹر ہونے کی حیثیت سے بھی، بڑی مقبولیت حاصل کی، مگر اس اخبار

سے بھی زیادہ دنوں تک وابستہ نہیں رہ سکے، مدراس میں متفرق کام کرتے رہے، اور وہاں کے لوگوں نے ان کی علمی صلاحیتوں سے پورا استفادہ کیا،

سنہ … ء میں دارالمصنفین پھر بلا لئے گئے، اس وقت تک ان کے علم میں بڑی وسعت اور گہرائی پیدا ہو چکی تھی، جس موضوع پر بولتے سننے والوں پر اپنی غیر معمولی علمی، تاریخی، ادبی اور مذہبی معلومات کا گہرا اثر پیدا کرتے، بعض اوقات جی چاہتا کہ وہ بولتے رہتے اور ہم لوگ سنتے رہتے، ان کی گفتگو میں قلم بند کرلی جاتیں تو وہ علمی جواہر ریزے ہو جاتے، وہ اپنے مافی الضمیر کو تو بڑی خوبی سے بولتے وقت ادا کر دیتے اور اس کے لئے ان کے پاس، الفاظ کے ہر طرح کے ذخیرے ہوتے، لیکن یہ علم وفن کی بڑی محرومی رہی کہ جب وہ کسی موضوع پر لکھنے بیٹھتے تو لکھتے چلے جاتے، اور ان کے قلم کی روانی کہیں نہیں رکتی، یہاں تک کہ ایک موضوع پر دو ڈھائی سو صفحے تک لکھ جاتے، جس میں اپنی بے پناہ معلومات کی بنا پر موضوع سے ہٹ کر بہت سی غیر متعلق باتیں آجاتیں، وہ جو کچھ لکھتے اس سے خود غیر مطمئن رہتے، پھر اس میں کانٹ چھانٹ کرنے لگتے، یہاں تک کہ اپنے دو سو صفحوں کی تحریروں کو چالیس پچاس صفحوں میں قلم بند کر دیتے، یہ اختصار بھی ان کو پسند نہ آتا اور خود کہتے کہ یہ اتنا مختصر ہو گیا کہ بہت سی مفید باتیں اس میں نہیں آسکیں، اس سے بددل ہو کر، ان صفحات کو ادھر ادھر ڈال دیتے جو بعد میں تلاش کرتے تو ان کو خود نہیں معلوم ہوتا کہ وہ کہاں رکھے ہوئے ہیں، اس طرح معلوم نہیں ان کی کتنی علمی تحریریں ضائع ہو گئیں، دارالمصنفین کے قیام میں کبھی ایسا بھی موقع آیا کہ وہ جو کچھ لکھتے ان کو لے کر پھر سے مرتب کر دیا جاتا اور وہ معارف میں شائع ہو جاتا، ان کے ذہن کی اس انتشار پسندی اور قلم کے بے پناہ کاوہ پن کی وجہ سے وہ کسی موضوع پر کوئی خاص کتاب نہ لکھ سکے، لیکن ان کی جو بھی تحریر معارف میں شائع ہوتی، اس پر اہل فن کی نگاہ ضرور اٹھتی، معارف میں ان کے ایک مضمون کو پڑھ کر پیرس سے ڈاکٹر حمید اللہ نے لکھ بھیجا تھا کہ دارالمصنفین کے علمی افق پر یہ کہاں سے درخشندہ ستارہ طلوع ہوا ہے،

دارالمصنفین کے دوبارہ قیام کے زمانہ میں معارف میں ان کی حسب ذیل تحریریں نکلیں معجزۂ شق القمر کا ذکر قرآن مجید میں (نومبر سنہ … ء) ۲۔ احادیث عاشورا (اگست سنہ … ء) ۳۔ قدوۃ الکمل (جولائی سنہ … ء) بکہ مبارک (اگست سنہ … ء) الروم (جنوری سنہ … ء)

السامری (جولائی سنہ … ء) حضرت ایوب (اگست و ستمبر سنہ … ء) ہسٹنگ شپلم (اکتوبر و نومبر سنہ … ء) تاریخ یمن کی ایک سطر (دسمبر سنہ … ء) کتبات حصن غراب (مئی سنہ … ء) تاریخ بابل (جولائی سنہ … ء) ہاروت و ماروت (اگست سنہ … ء) تاریخ یمن کا ایک ورق (اکتوبر و نومبر سنہ … ء) داستان خلیل بابل قدیم سے ایک صحیفہ کی روایت (مارچ سنہ … ء) اصحاب الاخدود (جولائی سنہ … ء) اصحاب الفیل کا واقعہ اور اس کی تاریخ (اکتوبر و نومبر سنہ … ء) اسی زمانہ میں حضرت سید صاحب نے ان کو اعلام القرآن پر ایک کتاب لکھنے کو کہا، لیکن وہ مکمل نہ کر سکے، اسی میں سے کچھ حصے مذکورہ بالا مضامین کی شکل میں شائع ہوئے، ان کو کتبات پڑھنے میں غیر معمولی مہارت حاصل تھی، کتبہ کسی زبان کا اور کتنا ہی پیچیدہ اور گنجلک ہوتا اس کو ضرور پڑھ لیتے، اسی سلسلہ میں عبرانی اور دوسری زبانوں میں بھی دسترس حاصل کی، ان کے اس وصف پر لوگ متحیر رہتے، اور اس وصف کی بنا پر وہ اس برصغیر میں کیا، بلکہ پوری دنیا میں بڑا نام حاصل کر سکتے تھے، مگر نام و نمود کی فکر ان کو بالکل نہیں رہی دنیا کے ہنگاموں سے دور ایک گوشۂ عافیت میں بیٹھ کر خود ہی اپنے علم و فضل سے لذت اٹھاتے رہے، اور اس کی ان کو کبھی فکر لاحق نہیں ہوئی کہ ان کو کیا ہونا چاہئے تھا اور کیا نہیں ہو سکے، طبیعت میں بڑی خودداری تھی کردار میں بڑی پختگی رہی، جو رائے قائم کر لیتے، اس سے دنیا کی کوئی قوت ان کو ہٹا نہیں سکتی تھی، ہندوستان میں جب تک رہے آل انڈیا نیشنل کانگریس کی تحریکوں کے مداح رہے، اور اپنی اس مداحی کی بنا پر نقصانات بھی اٹھائے، لیکن وہ سود و زیاں سے بالاتر ہو کر زندگی بسر کرنے کے عادی ہو گئے تھے، اس لئے لوگ ان کو کیا سمجھتے ہیں اس سے کبھی پریشان نہیں رہے اپنی دنیا الگ بنا کر اسی میں آباد رہ کر خوش رہے،

ان کی تین لڑکیاں تھیں، ایک اولاد نرینہ بھی تھی، ان لڑکیوں کی شادی کراچی میں ہو گئی، تو وہ بھی کراچی منتقل ہو گئے جہاں وہ کبھی کبھی علمی رسائل میں مضامین لکھا کرتے تھے، موہن جودڑو کے تقریباً دو ہزار کتبات پڑھ کر وہاں کے لوگوں کی مدد کی، لیکن وہاں کی سرزمین سے اپنے علم و فضل کا کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، یہ خاکسار جب کراچی جاتا تو ان کی خدمت میں حاضر ہوتا، اور ان کی علمی گفتگو سے استفادہ کرتا، کوئی موضوع چھیڑ دیا جاتا تو وہ بولتے چلے جاتے، رکنے کا نام نہیں لیتے، گزشتہ اپریل میں ان کی خدمت میں ان کی رہائش گاہ پر حاضر ہوا تھا، آنکھوں کی بینائی بہت ہی کم ہو گئی تھی، لکھنے پڑھنے سے بالکل معذور ہو چکے تھے، ان کی بڑی تمنا تھی کہ کوئی ایسا آدمی مل جاتا کہ جو کچھ ان کے سینہ میں تھا، اس کو

بول کر سفینہ میں منتقل کر دیتے، لیکن ان کی یہ تمنا پوری نہ ہو سکی، یہ خاکسار جب ان کے پاس پہنچا تو اثنائے گفتگو میں کلام پاک کی ایک آیت کا ذکر آ گیا تو اس کی تفسیر بیان کرنے لگے، اس کو سن کر یہ خیال ہوا کہ یہ ان کے خیالات کے جواہر قلمبند نہ ہونے کی وجہ سے ضائع ہو کر رہ جائیں گے، کراچی کے لیاقت کالج کے پرنسپل جناب سید فخر الحسن صاحب نے ان کو قلمبند کرنے کی کوشش کی، لیکن ان کی گفتگو کی روانی کا ساتھ جناب سید فخر الحسن کا قلم نہ دے سکا، ان سے رخصت ہوا تو خیال آیا کہ علم، فضل، فن اور بصیرت کا ایک مجموعہ کراچی کے ایک گمنام گوشہ تنہائی میں مقید ہو کر رہ گیا، اور ان کے بعد وہ ساری چیزیں بھی ان کے ساتھ سپرد خاک ہو جائیں گی، اور جب ان کی وفات کی خبر ملی تو ان کی آخری ملاقات برابر یاد آ رہی ہے، اور بار بار یہ خیال آتا ہے کہ دنیا سے کیا ہو کر ان کو رخصت ہونا چاہئے تھا، اور کیا ہو کر رخصت ہوئے، دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک اور حدیث مقدس میں انکی نکتہ وری اور دیدہ دری کی بدولت ان کو اپنی آغوشِ رحمت میں لے کر کروٹ کروٹ جنت نعیم عطا فرمائے، آمین!

ڈاکٹر عبداللطیف مرحوم

کراچی سے جناب ظفر اللہ صاحب کا ایک تار ملا کہ ان کے والد بزرگوار جناب ڈاکٹر عبداللطیف اللہ کو پیارے ہو گئے، اس خبر سے انتہائی دکھ ہوا کہ شرافت، اخلاق، مروت، اخلاص، مہمان نوازی اور کار خیر کا ایک مجسمہ اب وہاں ہے جہاں ایک روز سب کو جانا ہے، ان کا آبائی وطن تو مدھیہ پردیش تھا، مگر تقسیم ہند کے بعد وہ پاکستان چلے گئے، پیشہ کے لحاظ سے وہ ایم بی بی ایس ڈاکٹر تھے، پاکستان سے وہ کویت چلے گئے، جہاں تقریباً پچیس سال مقیم رہے، اور اپنے طبی فن کی وجہ سے بڑی ناموری حاصل کی، اور خدا جانے کتنی دولت پیدا کی، دولت سے تو ان کو لگاؤ کم رہا، لیکن کار خیر کرنے سے بڑی محبت رہی، وہ جتنا زیادہ کماتے، اس سے زیادہ اس برصغیر کیا، بلکہ دنیا کے مختلف حصوں کے دینی مدرسوں اور اداروں کی خدمت کرتے، اور جتنی زیادہ خدمت کرتے، اتنی ہی زیادہ ان کی دولت میں برکت ہوتی، کار خیر کرنے میں ان کو جو لذت ملتی، وہی ان کا سرمایۂ زندگی بنتی رہی، علامہ شبلی نعمانیؒ، مولانا سید سلیمان ندویؒ اور دار المصنفین کی مطبوعات

اور معارف کے بڑے قدر داں رہے، دار المصنفین کی ساری کتابیں اپنے یہاں جمع کر رکھی تھیں، اور ان کا مطالعہ بڑے ذوق و شوق سے کرتے، معارف پہنچنے میں تاخیر ہوتی تو بے چین ہو جاتے، اور کسی مہینہ نہیں پہنچتا تو تار بھیج کر منگواتے، کراچی میں بڑی عالیشان کوٹھیاں بنا رکھی تھیں، لیکن خود ان کی ذاتی زندگی بڑی سادہ رہی، سادہ لباس پہنتے، اور اپنی گفتگو میں اس کا اظہار نہ ہونے دیتے کہ وہ کیا ہیں، عجز، انکسار، تواضع، خلق، سخاوت اور فیاضی کا مجموعہ بن کر زندگی گزاری، مذہبی کتابیں پڑھتے، اور مذہبی باتیں سننے کے لئے بے چین رہتے، یہ خاکسار جب جب کراچی گیا، تو قیام گاہ پر آ کر بڑی شفقت و محبت سے ملتے، اپنے دولت کدہ پر بلاتے اور دیر تک بٹھائے رکھتے، اپنے ملنے والوں کو بھی بلا لیتے اور دیر تک مذہبی گفتگو کو موضوع بنائے رکھنے میں اپنی زندگی کا اصل کمال سمجھتے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں اور کار خیر کے بے پناہ جذبات کی بدولت ان کو اپنی رحمتوں کے کوثر اور برکتوں کی تسنیم سے سیراب کرے، آمین ثم آمین!

آہ! شاہ نصر احمد پھلواروی مرحوم

معارف کا یہ رسالہ چھپ رہا تھا کہ اخبار کے ذریعہ شاہ نصر احمد کی انتہائی المناک وفات کی خبر ملی اس سانحہ کی خبر سننے کے لئے بالکل تیار نہیں تھا، ان کی عمر مشکل سے تیئیس چوبیس سال رہی ہوگی، یہ تحریر لکھتے وقت ان کا چہرہ یاد آ رہا ہے، جس پر معصومیت، طہارت، مذہبیت، محبت، مروت اور اخلاق کے جتنے آثار ہو سکتے تھے، ان سب کے انوار ان پر جھلکتے نظر آتے تھے، وہ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے جناب مولانا شاہ عون احمد قادری کے بڑے صاحبزادے تھے، اس تعلق کے علاوہ وہ دار المصنفین میں بھی آ کر دو سال رہے، اپنی نیکی اور اخلاص کا جو نقش یہاں کے لوگوں پر چھوڑ گئے ہیں، وہ مدت مدید تک یاد رہے گا، وہ یہاں اس غرض سے آئے تھے کہ یہاں رہ کر کچھ سیکھیں، لیکن اپنی کم سنی کے زمانہ میں، انھوں نے معارف میں امام الحرمین پر تین قسطوں میں جو مضمون لکھا، اس پر برصغیر کے تمام ارباب فن کی نظر اٹھی، اور ان کا خیال تھا کہ یہ کسی تجربہ کار اہل قلم اور دیدہ ور عالم کا لکھا ہوا ہے، لیکن جب ان کو بتایا جاتا کہ اس کے لکھنے والے کی عمر کیا ہے، تو ان کو یقین نہیں آتا، اس مضمون سے اندازہ ہو گیا تھا کہ

آئندہ علم کی ایک بے پناہ قوت ہندوستان کی علمی دنیا میں ابھر کر رہے گی، لیکن ان کو خود خیال رہا کہ ان میں ابھی بہت کچھ کمی رہ گئی ہے، اس لئے اس کو پورا کرنے کے لئے وہ دار العلوم ندوۃ العلماء مزید تعلیم کے لئے چلے گئے، جہاں انھوں نے تین سال رہ کر وہاں کی تعلیم کی تکمیل کی اور ادب میں تخصص کیا، اسی زمانہ میں ان کی شادی بھی ہو گئی تھی، اور جب وہ گلشن علم میں نسیم نوبہاری بن کر ہر طرف پھیلتے تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی مصلحت کی بنا پر ان کو اپنے پاس بلالیا، وہ اپنی نیکیوں اور خوبیوں کی بدولت جنت الفردوس کی سیر ضرور کریں گے، لیکن ان کے نے پھلواری شریف کا پتہ پتہ، بوٹا بوٹا، خدا جانے کب تک سوگوار رہے گا ان کے والدین پر اس سانحہ سے جو کچھ گزر رہا ہوگا، اس میں دار المصنفین کے رفقاء بھی ہر طرح شریک غم ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو صبر جمیل کی توفیق دے، اور مرحوم کو اعلیٰ علیین میں وہ ساری نعمتیں حاصل ہوں، جو اللہ تعالیٰ کے نیک اور پاکیزہ بندوں کو حاصل ہوا کرتی ہیں، آمین (ص ۔ ع)

بزم رفتگاں

یہ مصنف کے بعض بزرگوں، دوستوں، معاصر دانشوروں، ادیبوں، مصنفوں اور سیاسی رہنماؤں کی وفات حسرت آیات پر تاثراتی مضامین کا مجموعہ ہے، جن سے ان کو والہانہ محبت اور عقیدت تھی جس کو انھوں نے اپنے والد مرحوم جناب سید محی الدین رحمہ اللہ اور اپنی والدہ محترمہ جناب سلمہ خاتون رحمہا اللہ کے نام معنون کیا ہے،

حصہ اول میں جو مکتبہ جامعہ دہلی کی طرف سے شائع ہوا ہے، مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی، مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا عبد السلام ندوی جیسے وقت کے ارباب کمال کی وفات پر مضامین ہیں، اور حصہ دوم میں مولانا ابو الکلام آزاد، پنڈت نہرو، ذاکر صاحب، ہمایوں کبیر، فخر الدین علی احمد، مولانا عبد الماجد دریابادیؒ، ماہر القادری، ڈاکٹر محمد یوسف حسین خاں، پروفیسر سنتی کمار چٹرجی، ڈاکٹر محمد اسحاق وغیرہ جیسے مختلف شعبہ ہائے زندگی کے مشاہیر و اکابر کے انتقال پُر ملال پر مضامین ہیں،

از سید صباح الدین عبد الرحمن جلد اول ۱۷ روپے جلد دوم ۱۷ روپے

مطبوعات جدیدہ

تذکرہ مصلح الامت مرتبہ مولانا محمد قمر الزماں صاحب، متوسط تقطیع، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، صفحات تین سو بیس (۳۲۰)، مجلد، قیمت تیس روپے، پتہ:- (۱) مکتبہ عزیزیہ [illegible] بخشی بازار، الہ آباد، (۲) مکتبہ اشرفیہ ۳۶، محمد علی روڈ، بمبئی ۳، (۳) ادارۂ علم و حکمت، دیوبند،

مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی ذات رشد و ہدایت کا ایک روشن چراغ تھی، اور وہ اس دور کے ایک بڑے شیخ طریقت تھے، جو سالکین کی اصلاح و تربیت میں اپنے مرشد حضرت مولانا تھانویؒ کا مثنیٰ تھے، الٰہ آباد اور وقتاً فوقتاً بمبئی میں قیام کے زمانہ میں ان کا دائرۂ فیض بہت وسیع ہو گیا تھا، اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ کا بھی ان کی طرف رجوع ہوتا تھا، یہ کتاب مولانا کے حالات و سوانح پر مشتمل ہے، اس میں ان کا خاندان، زندگی، تعلیم، مرشد تھانویؒ سے تعلق، اصلاح و تربیت کے طریقے اور اس سلسلہ میں ان کی مستعدی، تبلیغ و ارشاد کی مجلسوں، اصلاحی تقریروں، سلوک و تصوف کے بارہ میں اہم خیالات، روزمرہ اشغال و معمولات، ان کے خلق عظیم و لطف عمیم کی تصویر کھینچی گئی ہے، اور علالت و وفات کی تفصیل قلمبند کی گئی ہے، لائق مرتب نے مولانا کے پسندیدہ عربی، فارسی اور اردو اشعار بھی نقل کئے ہیں، اور ان کے پسماندگان، خلفاء اور تصنیفات کی فہرست بھی دی ہے، آخر میں بعض تعزیتی خطوط درج ہیں، جن سے ان کی عظمت کا پتہ چلتا ہے، مولانا درس و تدریس کے مشغلہ سے بھی وابستہ رہے، اور آخر تک بعض اہم کتب کا درس دیتے رہے، ان کی سرپرستی میں الٰہ آباد میں ایک عربی مدرسہ بھی قائم ہوا تھا، وہ نصاب کے بارہ میں قدامت پسند نہ تھے، بلکہ ندوۃ العلماء کی تحریک اصلاح نصاب سے متاثر تھے، جس کے نصاب کی بعض کتابیں ان کے مدرسہ میں داخل ہیں، وہ اس کے شاکی تھے کہ مدارس میں جتنی توجہ احادیث کی طرف دی جاتی ہے، اتنی توجہ قرآن مجید کی طرف نہیں دی جاتی، اس کا ترجمہ نہیں کرایا جاتا اور کتب تفسیر کو بھی کم پڑھایا جاتا ہے، اس کتاب میں خود مولانا کی تحریروں اور ملفوظات کی روشنی میں ان کی تعلیمات و ہدایات اور سلوک و عرفان کے متعلق ان کے پاکیزہ خیالات پیش کئے گئے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دراصل اکابر مشائخ کے سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی اور حضرت تھانویؒ کی سچی یادگار تھے، اس لئے مروجہ رسمی تصوف سے

بیزار اور اس تصوف واحسان کے داعی تھے جو دین وشریعت میں مطلوب ہے، وہ شیخ کے بجائے خدا
کو مقصود بنانے کی تلقین کرتے تھے (ص۲۴۱) ان کے نزدیک تصوف کوئی مستقل شئی نہیں (ص۱۷۵) بلکہ
اصل چیز تو کتاب وسنت ہے (ص۱۲۲) ان کے خیال میں کتاب وسنت کے بجائے اقوالِ مشائخ کو معیارِ حق
وباطل بنانے سے نظام دین درہم برہم ہوگیا ہے (ص۱۱۰) وہ یہ بھی فرماتے تھے کہ کشف کوئی دلیلِ شرعی نہیں
ہے (ص۹۸) اور طریقت کو شریعت سے الگ چیز قرار دینا جہل ہے (ص۹۹) وہ کہتے ہیں کہ تصوف
ایک مستقل فن ہوگیا اور اس کی صورت جوگ کی سی ہوگئی (ص۱۷۶) مصنف نے یہ کتاب بڑی عقیدتمندی
سے لکھی ہے اور اس سے دین وشریعت اور سلوک وتصوف کے متعلق ایسی مفید باتیں معلوم ہوتی ہیں جن سے
روح بالیدگی اور قلب میں اپنی اصلاح کا داعیہ پیدا ہوتا ہے مگر یہ کوئی منضبط ومرتب سوانح عمری نہیں
ہے، مضامین میں انتشار کے علاوہ مکررات بھی بکثرت ہیں۔

الانصاف فی حدود الاختلاف :- مرتبہ مولانا سید خلیل حسین میاں صاحب،
تقطیع متوسط، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، صفحات ۷۰، قیمت دس روپئے، ناشر شعبہ تصنیفات
علیہ مدرسہ اسلامیہ اصغریہ دار المسافرین، دیوبند، یوپی۔

دار العلوم دیوبند کے افسوسناک اختلاف کی وجہ سے وہاں کے دو گروہوں میں طعن وتشنیع، سب
وشتم اور اشتہار بازی وغیرہ کا سلسلہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی زندگی ہی میں شروع
ہوگیا تھا، جس کا انھیں خاص طور پر بہت دکھ اور ملال تھا، یہ کتاب حضرت کے ایک مرید باصفا نے
اسی اختلاف کے پس منظر میں بڑی دردمندی سے لکھی ہے، جس میں مثبت ومنفی دونوں پہلوؤں سے
اہلِ ایمان کے اوصاف وخصائل بیان کرکے دکھایا ہے کہ سخت کشمکش اور شدید نزاع کی صورت میں بھی
اہلِ حق اور علمائے ربانی کا شیوہ کیا ہوتا ہے، مصنف نے باہمی اتفاق، مومن کی خیرخواہی اور اس سلسلہ
حسن خلق اور خوش گمانی کی تاکید اور اس کی پردہ دری وعیب جوئی، توہین وتحقیر، غیبت وبدگوئی،

بدگمانی اور بدسلوکی اور تفرقہ وانتشار کی مذمت سے متعلق آیتوں اور حدیثوں کے علاوہ حضرت شیخ کی تحریروں
کے اقتباسات بھی دیئے ہیں، جو بہت موثر اور مفید ہیں۔

صلیبیں مرے دریچے میں :- از جناب فیض احمد فیض صاحب متوسط تقطیع، کاغذ،
کتابت وطباعت اچھی، صفحات ۲۲۴، مجلد مع گرد پوش، قیمت ۳۵ روپئے، ناشر مغربی بنگال
اردو اکاڈمی، ۱۷ سندری موہن ایونیو، کلکتہ ۱۴۔

جناب فیض احمد فیض موجودہ دور کے مشہور ومقبول شاعر ہیں، ان کی فرمانروائی نظم کی طرح نثر پر بھی
ہے، حکومت پاکستان نے ۱۹۵۱ء سے ۱۹۵۵ء تک انھیں قید وبند میں رکھا، اس اسیری کے زمانہ میں
انھوں نے اپنی بیوی کو انگریزی میں جو خطوط لکھے تھے ان کا اردو ترجمہ خود فیض صاحب ہی نے مرزا ظفر الحسن
صاحب کی فرمائش پر کیا تھا اور وہ پہلی دفعہ ان کی ساٹھویں سالگرہ کے موقع پر ۱۹۷۱ء میں شائع ہوا
تھا، اب مغربی بنگال اردو اکاڈمی نے ادبی خدمت کے جذبہ سے اس کا نیا اڈیشن شائع کیا ہے، تاکہ فیض
صاحب کے ہندوستانی قدرداں بھی اس کا مطالعہ کرسکیں، ان خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ مکتوب نگار کی گرفتاری
پر ان کی اہلیہ بہت ملول اور افسردہ تھیں اس لئے ان کی گھبراہٹ اور اضطراب دور کرنے کے لئے ان خطوط
میں جیل کی بے کیف، صبر آزما اور پرمشقت زندگی کو بھی خوشگوار بتایا گیا ہے، اس سے مکتوب نگار
کے عزم، استقلال اور مضبوط قوت ارادی کا پتہ چلتا ہے، ان خطوط میں فیض صاحب کے مطالعہ کی کتابوں
اور ان کے مندرجات اور بعض مشہور ادیبوں کا ذکر بھی آگیا ہے اور کہیں کہیں انھوں نے اپنی بیگم کی تحریروں
پر تبصرہ کیا ہے اور انھیں زندگی کے عام امور ومسائل کے بارہ میں مشورے بھی دیئے ہیں، اس مجموعہ میں
زنداں کے ماحول، عام حالات، موسم، پھولوں اور باغبانی وغیرہ کا تذکرہ اور اپنے بعض تاثرات، محسوسات،
خیالات اور تجربات بھی تحریر کئے ہیں، گو ان خطوط میں نہ تو علم وادب کے اہم امور ومسائل پر بحث وگفتگو
کی گئی ہے اور نہ یہ بہت غور وفکر سے لکھے گئے ہیں، تاہم ان میں بیساختگی، روانی اور بے تکلفی بھی ہے اور

کہیں کہیں مکتوب نگار کے طنز و مزاح کی چاشنی بھی ہے، اس لئے ان میں قارئین کی دلچسپی کا سامان بھی ہے، اور ان سے فیض صاحب کے سوانح نگار کو بھی مدد ملے گی، مگر زبان و بیان کے معاملہ میں وہ زیادہ محتاط نہیں ہیں، اور یہ خطوط تو خود ان کے بقول قلم برداشتہ لکھے گئے ہیں اور "منھ زبانی" ان کا ترجمہ کیا گیا ہے اس لئے ان کی زبان کی کوتاہی کی ذمہ داری انھوں نے مرزا ظفر الحسن صاحب کے سر ڈالی ہے، اس قسم کی بعض غلطیوں کی نشاندہی کی جاتی ہے، تاکہ آئندہ اڈیشن میں تصحیح کرلی جائے" اور بہت سی محنت اور تلاش کے بغیر انھیں اردو میں منتقل کرنا محال ہے" (ص ۱۴۲) بہت ہی خوش دل مجمع ہے" (ص ۳۵) جو بھی دوست ہاتھ آئے اسے سلام پہنچا دینا" (ص ۴۲) "تمھارے خط پہلے سے زیادہ بشاش معلوم ہوتے ہیں" (۴۹) "میری کوٹھری کی سلاخوں پر دھوپ اور ہوا کی ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی ہے" (ص ۵۶) آج من کی کیفیت بہتر ہے" اور شاید جلد ہی کچھ لکھا جا سکے درد زہ کے ہلکے سے آثار محسوس ہو رہے ہیں (ص ۹۳) اسی دوران میں اماں اور آپا یہاں آئے تھے (ص ۹۹) مندرجہ ذیل جملوں میں غالباً پنجابی بولی کا اثر ہے" اور ہم نے بہت احسان مند محسوس کیا (ص ۱۴۲) جیل خانے میں اس کیفیت کے لئے آدمی کچھ احسان مند محسوس کرتا ہے" (ص ۱۵۶) اور دل دونوں کے لئے احسان مند محسوس کرتا ہے" (ص ۱۸) بلکہ نفسیاتی الجھنوں سے ایذا طلبی کا وہ شدید جذبہ بھی سمجھ میں آتا ہے" (ص ۲۱) "تمھارے نتائج کا سن کر بہت خوشی ہوئی (ص ۳۵) تمھارے نیگر و شاگرد کا سن کر خوشی ہوئی (ص ۴۷) حفیظ کی نظم کا سن کر خوشی ہوئی (ص ۴۷) اس طرح کے جملے متعدد ہیں، بارشیں (ص ۴۹، ۱۳۳) شامیں (ص ۹۲، ۱۱۴) صبحیں (ص ۲۱۶) صبحوں (ص ۱۰۵) روشنیاں (ص ۲۱) وغیرہ جمع کا استعمال بھی گراں معلوم ہوتا ہے، اگرچہ بعض افسانہ نگار، شاعر اور اخبار نویس اس قسم کی جمع بے تکلف استعمال کرنے لگے ہیں اور بعض شعراء کے یہاں بھی ایسی جمع استعمال ہوتی ہے، مثلاً عشق کا ایک شعر ہے

کی عرض کر بابا ہوں عجب رنج و بلا میں گردوں نے دکھائیں نئی صبحیں نئی شامیں

لیکن فصحاء ایسی جمع لکھنے سے احتراز کرتے ہیں، لامتناہی کو کسی جگہ لا امتناہی لکھا ہے، جو شاید کتابت کی غلطی ہو۔

"ض"

جلد ۱۳۴ ماہ ربیع الاول ۱۴۰۵ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۸۴ء عدد ۶

مضامین

شذرات — سید صباح الدین عبد الرحمٰن — ۴۰۲-۴۰۴

مقالات

تاریخ ارض القرآن اور مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات، — حافظ عمیر الصدیق دریابادی ندوی، رفیق دار المصنفین — ۴۰۵-۴۳۰

علامہ سید سلیمان ندوی بحیثیت تنقید نگار، — پروفیسر عبد المغنی، پٹنہ یونیورسٹی، — ۴۲۱-۴۳۸

ہندوستانی جامعات میں عربی کی درس و تدریس — جناب فیض اللہ فاروقی، لکچرار شعبہ عربی سنٹرل انسٹی ٹیوٹ حیدرآباد — ۴۳۹-۴۵۴

وفیات

آہ! مولانا عبد الرحمٰن پرواز اصلاحی، — ضیاء الدین اصلاحی، — ۴۵۵-۴۶۵

باب التقریظ والانتقاد

"تاریخ محمدی" — ڈاکٹر شریف حسین قاسمی، دہلی یونیورسٹی، — ۴۶۶-۴۶۹

ادبیات

غزل — پروفیسر جگن ناتھ آزاد، جموں یونیورسٹی، — ۴۷۰

غزل — ڈاکٹر ظفر الاسلام ظفر بھیونڈی، بمبئی — ۴۷۰

غزل — جناب وارث ریاضی صاحب — ایم۔ اے۔ مغربی چمپارن — ۴۷۱

مطبوعات جدیدہ — "ض" — ۴۷۲-۴۸۰